ماہنامہ

اشراق

لاہور

اپریل ۲۰۲۳ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

”انسان چونکہ اِس دنیا میں اپنا ایک عملی وجود بھی رکھتا ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ
کے لیے اُس کا جذبۂ عبادت جب اُس کے عملی وجود سے متعلق ہوتا ہے تو
پرستش کے ساتھ اطاعت کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ روزہ اِسی اطاعت کا علامتی
اظہار ہے۔ اِس میں بندہ اپنے پروردگار کے حکم پر اور اُس کی رضا اور خوشنودی
کی طلب میں بعض مباحات کو اپنے لیے حرام قرار دے کر مجسم اطاعت بن
جاتا اور اِس طرح گویا زبان حال سے اِس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور
اُس کے حکم سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اگر قانون فطرت کی رو سے جائز
کسی شے کو بھی اُس کے لیے ممنوع ٹھیرا دیتا ہے تو بندے کی حیثیت سے زیبا
یہی ہے کہ وہ بے چون وچرا اِس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔“

—— شذرات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net".

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ماہنامہ
اشراق
لاہور

جلد ۳۵ شمارہ ۴ اپریل ۲۰۲۳ء رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

فی شمارہ 50 روپے
سالانہ 500 روپے
رجسٹرڈ 1000 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک
سالانہ 50 ڈالر

فہرست

شذرات

روزہ | جاوید احمد غامدی | ۴
۱۲۳ اعتراضات کی ویڈیو سیریز کتابی صورت میں | سید منظور الحسن | ۷

قرآنیات

البیان: سبا ۳۴: ۱-۹ (۱) | جاوید احمد غامدی | ۹

معارف نبوی

علامات قیامت (۵) | جاوید احمد غامدی / ڈاکٹر محمد عامر گزدر | ۲۱

نقطۂ نظر

تعلیم کا کاروبار | ڈاکٹر عرفان شہزاد | ۳۸
سود | عامر شیخ | ۴۲

سیر و سوانح

مہاجرین حبشہ (۱۸) | محمد وسیم اختر مفتی | ۴۸

اصلاح و دعوت

دعا اور اُس کی قبولیت | محمد ذکوان ندوی | ۶۰
مذہب اور عقل عام | خورشید احمد ندیم | ۶۳

وفیات

پروفیسر نجات اللہ صدیقی: ایک فکری مسافر (۱) | ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی | ۶۷

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

جاوید احمد غامدی

روزہ

نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسری اہم عبادت روزہ ہے۔ عربی زبان میں اِس کے لیے 'صوم' کا لفظ آتا ہے، جس کے معنی کسی چیز سے رک جانے اور اُس کو ترک کر دینے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ خاص حدود و قیود کے ساتھ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اِسی کو روزہ کہتے ہیں۔ انسان چونکہ اِس دنیا میں اپنا ایک عملی وجود بھی رکھتا ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کا جذبۂ عبادت جب اُس کے عملی وجود سے متعلق ہوتا ہے تو پرستش کے ساتھ اطاعت کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ روزہ اِسی اطاعت کا علامتی اظہار ہے۔ اِس میں بندہ اپنے پروردگار کے حکم پر اور اُس کی رضا اور خوشنودی کی طلب میں بعض مباحات کو اپنے لیے حرام قرار دے کر مجسم اطاعت بن جاتا اور اِس طرح گویا زبان حال سے اِس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حکم سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اگر قانون فطرت کی رو سے جائز کسی شے کو بھی اُس کے لیے ممنوع ٹھیرا دیتا ہے تو بندے کی حیثیت سے زیبا یہی ہے کہ وہ بے چون وچرا اِس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

اللہ کی عظمت و جلالت اور اُس کی بزرگی اور کبریائی کے احساس و اعتراف کی یہ حالت، اگر غور کیجیے تو اُس کی شکر گزاری کا حقیقی اظہار بھی ہے۔ چنانچہ قرآن نے اِسی بنا پر روزے کو خدا کی تکبیر اور شکر گزاری قرار دیا اور فرمایا ہے کہ اِس مقصد کے لیے رمضان کا مہینا اِس لیے خاص کیا گیا ہے کہ قرآن کی صورت میں اللہ نے جو ہدایت اِس مہینے میں تمھیں عطا فرمائی ہے اور جس میں عقل کی رہنمائی اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کے لیے واضح اور قطعی حجتیں ہیں، اُس پر اللہ کی بڑائی کرو اور اُس کے شکر گزار بنو۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اِس کا منتہاے کمال یہ ہے کہ آدمی روزے کی حالت میں اپنے اوپر مزید کچھ پابندیاں عائد کر کے اور دوسروں سے الگ تھلگ ہو کر چند دنوں کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرے۔ اصطلاح میں اِسے 'اعتکاف' کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ رمضان کے روزوں کی طرح لازم تو نہیں کیا گیا، لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اِس کی بڑی اہمیت ہے۔ روزہ و نماز اور تلاوت قرآن کے امتزاج سے جو خاص کیفیت اِس سے پیدا ہوتی اور نفس پر تجرد و انقطاع اور تبتل الی اللہ کی جو حالت طاری ہو جاتی ہے، اُس سے روزے کا اصلی مقصود درجۂ کمال پر حاصل ہوتا ہے۔

روزے کی تاریخ

نماز کی طرح روزے کی تاریخ بھی نہایت قدیم ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ روزہ مسلمانوں پر اُسی طرح فرض کیا گیا، جس طرح وہ پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تربیت نفس کی ایک اہم عبادت کے طور پر اِس کا تصور تمام مذاہب میں رہا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روزے کا مقصد

اِس کا مقصد قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ لوگ خدا کا تقویٰ اختیار کر لیں۔ قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے شب و روز کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر رکھ کر زندگی بسر کرے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں اِس بات سے ڈرتا رہے کہ اُس نے اگر کبھی اِن حدود کو توڑا تو اِس کی پاداش سے اللہ کے سوا کوئی اُس کو بچانے والا نہیں ہو سکتا۔

روزے کا قانون

اِس کا قانون درج ذیل ہے:

روزے کی نیت سے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ تعلق سے اجتناب ہی روزہ ہے۔

یہ پابندی فجر سے لے کر رات کے شروع ہونے تک ہے، لہٰذا روزے کی راتوں میں کھانا پینا اور بیویوں کے پاس جانا بالکل جائز ہے۔

روزوں کے لیے رمضان کا مہینا خاص کیا گیا ہے، اِس لیے جو شخص اِس مہینے میں موجود ہو، اُس پر فرض ہے کہ

اِس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

بیماری یا سفر کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری کے باعث آدمی اگر رمضان کے روزے پورے نہ کر سکے تو لازم ہے کہ دوسرے دنوں میں رکھ کر اُس کی تلافی کرے اور یہ تعداد پوری کر دے۔

حیض و نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ تاہم اِس طرح چھوڑے ہوئے روزے بھی بعد میں لازماً پورے کیے جائیں گے۔

روزے کا منتہاے کمال اعتکاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص کو اِس کی توفیق دے تو اُسے چاہیے کہ روزوں کے مہینے میں جتنے دنوں کے لیے ممکن ہو، دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کے لیے مسجد میں گوشہ نشین ہو جائے اور بغیر کسی ناگزیر انسانی ضرورت کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔

آدمی اعتکاف کے لیے بیٹھا ہو تو روزے کی راتوں میں کھانے پینے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن بیویوں کے پاس جانا اُس کے لیے جائز نہیں رہتا۔ اعتکاف کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اِسے ممنوع قرار دیا ہے۔

(الاسلام ۱۰۳-۱۰۶)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سید منظور الحسن

۱۲۳ اعتراضات کی ویڈیو سیریز کتابی صورت میں

''غامدی صاحب کے فکر پر ۱۲۳ اعتراضات کے جواب میں'' کے زیرِ عنوان ویڈیو سیریز کا سلسلہ جاری ہے۔ اِس میں روایتی مذہبی فکر کے وہ اعتراضات زیرِ بحث ہیں جو استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے افکار پر بالعموم کیے گئے ہیں اور جنھیں علما کی اجماعی آرا کے مقابل میں اُن کے تفردات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت قرآن و سنت اور حدیث و سیرت کے مختلف مباحث کی رائج تعبیرات ہیں۔ غامدی صاحب نے اِنھیں قرآن و سنت کے نصوص اور حدیث و سیرت کے حقائق کے خلاف قرار دے کر جزواً یا کلیتاً قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔

اِس سلسلۂ مباحث میں سوال و جواب اور بحث و مکالمے کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ شریکِ گفتگو محمد حسن الیاس صاحب ہیں۔ اُنھوں نے تمام مباحث کو بالاستیعاب ترتیب دے کر نہایت خوش اسلوبی سے استاذِ گرامی کے سامنے پیش کیا ہے۔ استاذِ گرامی نے جوابی گفتگو میں روایتی نقطۂ نظر کی تشریح کی ہے، اُس کے دلائل کا تجزیہ کیا ہے اور اُس کے مقابل میں اپنے موقف کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

راقم اِس سلسلۂ مباحث کو مقالات کی صورت میں تالیف کر رہا ہے۔ اِس کے لیے تفصیلی بحثیں اجزا میں تقسیم کی ہیں اور اشارات کی وضاحت اور اجمالی نکات کی تفصیل کی ہے۔ حسبِ موقع استاذِ گرامی کی تصانیف سے متعلقہ اقتباس نقل کیے ہیں۔ تشریح و توضیح اور تائید و تاکید کے لیے جلیل القدر اہل علم کی کتابوں کے حوالے بھی درج ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ جو مباحث آڈیو ویڈیو کی صورت میں دستیاب ہیں، وہ تحریری شکل میں بھی سامنے آ جائیں تاکہ طلبا اور محققین کے لیے اُن سے استفادہ آسان ہو جائے۔

یہ مقالات استاذِ گرامی کے افکار کے بارے میں راقم کے فہم کا بیان ہیں، تاہم خوش نصیبی ہے کہ یہ اُن کی نظرثانی سے بھی گزر رہے ہیں۔ اِس کے نتیجے میں فہم و بیان کے نمایاں تسامحات کی اصلاح ساتھ ساتھ ہو رہی ہے۔

دینی موضوعات پر استاذِ گرامی کے اعلیٰ علمی مباحث کو اُنھی کے مکالمات سے اخذ کر کے تحریر کرنا اور اِس مقصد کے لیے اُن کی اصولی رہنمائی کا میسر ہونا شرف و امتیاز کا باعث ہے۔ یہ پروردگار کی عظیم عنایت ہے، جو راقم کی اہلیت اور بساط سے یقیناً بہت بڑھ کر ہے۔ الحمد للہ۔

مذکورہ ویڈیو سیریز کی تشکیل اور اُس پر مبنی اِس سلسلۂ مقالات کی تالیف کا کام ''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، امریکا'' کے زیرِ اہتمام جاری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارے اور افراد کی اِس اجتماعی کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

البیان

جاوید احمد غامدی

باب پنجم

سبا — الحجرات

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

توحید کا اثبات

اُس کے حوالے سے قریش کو انذار

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو غلبۂ حق کی بشارت

اور اُن کا تزکیہ و تطہیر

باب پنجم

سبا - الحجرات

۳۴ — ۴۹

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ قرآن مجید کا پانچواں باب ہے۔ اِس میں 'سبا' (۳۴) سے 'الحجرات' (۴۹) تک سولہ سورتیں ہیں۔ اِن سورتوں کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن میں سے پہلی تیرہ سورتیں ام القریٰ مکہ اور آخری تین ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔

قرآن مجید کے دوسرے تمام ابواب کی طرح یہ چیز اِس باب میں بھی ملحوظ ہے کہ یہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا اور مدنی سورتوں پر ختم ہو جاتا ہے۔

اِس کے مخاطب قریش مکہ ہیں، لیکن آخری سورتوں میں جب تزکیہ و تطہیر کا مضمون شروع ہوا ہے تو خطاب مسلمانوں سے ہو گیا ہے۔

اِس کا موضوع توحید کا اثبات، اُس کے حوالے سے قریش کو انذار، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کے لیے غلبۂ حق کی بشارت اور اُن کا تزکیہ و تطہیر ہے۔

قرآن کے آخری باب کی طرح اِس باب کی سورتیں بھی اِس طرح ترتیب دی گئی ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مختلف مراحل اِس ترتیب سے بالکل نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ چنانچہ 'فاطر' (۳۵) تک مرحلۂ انذار عام ہے۔ 'یٰسں' (۳۶) ایک منفرد سورہ ہے، جس سے مرحلۂ اتمام حجت شروع ہوتا ہے۔ اِس کا خاتمہ سورۂ ص (۳۸) پر ہوا ہے۔ اِس کے بعد 'الاحقاف' (۴۶) تک مرحلۂ ہجرت و براءت ہے اور آخر میں اقدام کی تیاری، فتح و نصرت کی بشارت اور تزکیہ و تطہیر کے مرحلے کی سورتیں ہیں۔ یہ سورۂ محمد (۴۷) سے شروع ہوتی اور 'الحجرات' (۴۹) پر ختم ہو جاتی ہیں، جو باب کے آخر میں پھر ایک منفرد سورہ ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مرحلۂ انذار عام

سبا - فاطر

۳۴ —— ۳۵

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سبا - فاطر

۳۴ — ۳۵

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سبا - فاطر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے توام ہیں۔ دونوں میں انذار و بشارت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کی دعوت دی گئی اور اُس کی توحید کا اثبات کیا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں کا موضوع ایک ہی ہے۔ پہلی سورہ میں، البتہ تاریخی استدلال اور دوسری میں ملائکہ کی الوہیت کے ابطال کا پہلو نمایاں ہے۔ اِنھیں 'اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ' سے شروع کر کے اِن کے اِس تعلق کی طرف قرآن نے خود اشارہ کر دیا ہے۔

دونوں سورتوں میں خطاب قریش سے ہے اور اِن کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلۂ انذار عام میں نازل ہوئی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة سبا

(۱)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَہُ الۡحَمۡدُ فِی
الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ۝۱ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا

۱

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

شکر کا سزاوار وہی اللہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے۔[۱] اور آخرت میں بھی اُسی کی حمد ہو گی[۲] اور وہی حکیم و خبیر ہے۔[۳] جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور

۱۔ یہ ایک بدیہی حقیقت کا بیان ہے، جس سے سورہ کی ابتدا ہوئی ہے کہ وہی اللہ جو زمین و آسمان کی سب چیزوں کا خالق و مالک ہے، وہی اُن تمام مخلوقات کے شکر کا حقیقی سزاوار بھی ہے جو اُس کی پیدا کی ہوئی اِن سب چیزوں سے متمتع ہو رہی ہیں۔

۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی مخلوقات کا یہی تعلق آخرت میں بھی آشکارا ہو گا۔ اِس فقرے سے جو حقائق معلوم ہوتے ہیں، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اُن کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ فِيۡهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيۡمُ الۡغَفُوۡرُ ﴿۲﴾

جو کچھ اُس سے نکلتا ہے[4] اور جو کچھ آسمان سے اترتا اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے،[5] وہ اُس کو جانتا

’’ایک یہ کہ اِس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ربوبیت کا جو اہتمام فرمایا ہے، اُس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اُس کے بعد آخرت کا ظہور ہو۔ اگر آخرت نہ ہو تو یہ تمام ربوبیت بالکل بے معنی و بے غایت ہو کے رہ جاتی ہے۔ اِس نکتے کی وضاحت متعدد مقامات میں ہو چکی ہے، اِس وجہ سے یہاں اشارے پر اکتفا کیجیے۔

دوسری یہ کہ یہ اہل ایمان کے اِس ترانۂ حمد کی طرف اشارہ ہے جو آخرت میں تمام حقائق کے ظہور اور اللہ تعالیٰ کے جملہ وعدوں کے ایفا کے بعد اُن کی زبانوں سے بلند ہو گا۔ اِس کی طرف سورۂ یونس میں اشارہ ہے: ’وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ‘* (اور اُن لوگوں کی آخری صدا یہ ہو گی کہ شکر کا حقیقی سزاوار اللہ، عالم کا خداوند ہے)۔

تیسری یہ کہ یہ شرکا و شفعا کی کلی نفی ہے کہ یہ تمام مزعومہ دیوی دیوتا جن کی شفاعت کی امید پر مشرکین نچنت بیٹھے ہیں، آخرت میں سب ہوا ہو جائیں گے۔ اِن میں سے کوئی کسی کے کام آنے والا نہیں بنے گا۔ اُس دن مشرکین اپنے معبودوں پر لعنت کریں گے اور معبود اپنے پجاریوں سے اعلان براءت کریں گے۔ سب کی پیشی اللہ واحد کے حضور میں ہو گی، اُسی کا فیصلہ ناطق ہو گا اور سب پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ سزاوار حمد صرف اللہ رب العٰلمین ہے۔‘‘ (تدبر قرآن ۶/ ۲۹۰)

۳۔ یہ اوپر کے تمام دعاوی کی دلیل ہے کہ وہ حکیم ہے، اِس وجہ سے لازم ہے کہ ایک ایسا دن لائے جس میں اُس کے بے لاگ عدل کا ظہور ہو اور اُس کے شکر گزار بندے اپنی شکر گزاری کا صلہ پائیں۔ اور اِس کے ساتھ خبیر بھی ہے، لہٰذا کوئی بات اُس سے چھپی نہ رہے گی اور نہ وہ فیصلے کے لیے کسی دوسرے کے علم و خبر کا محتاج ہو گا۔ آگے اِسی محیط کل علم کی وضاحت ہے۔ یہ اور اِس سے پہلے کی تمام باتیں حصر کے اسلوب میں فرمائی ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ جب وہی خالق و مالک اور حکیم و خبیر ہے تو اُس کے سوا کوئی دوسرا اُس کی مخلوقات کے حمد و شکر کا سزاوار کس طرح ہو سکتا ہے؟

۴۔ اِس کی ایک مثال وہ دانہ ہے جو زمین میں ڈالا جاتا اور اُس سے لہلہاتے ہوئے پودے کی صورت میں برآمد

* یونس ۱۰: ۱۰۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِيۡنَا السَّاعَةُ ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّىۡ لَتَاۡتِيَنَّكُمۡ ۙ
عٰلِمِ الۡغَيۡبِ ۚ لَا يَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَلَاۤ

ہے[6] اور وہی غفور ورحیم ہے۔[7] ۱-۲

(تمھارے) منکرین کہتے ہیں کہ قیامت ہم پر نہیں آرہی۔ کہہ دو، کیوں نہیں، میرے اُس پروردگار کی قسم جو ہر غیب کا جاننے والا ہے، وہ تم پر ضرور آئے گی۔[8] اُس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ

ہو جاتا ہے۔

۵۔ اِس کی نہایت واضح مثال لوگوں کے لیے خیر و شر کے فیصلے ہیں جو فرشتے لے کر آتے اور حاضری کے دن جن کے نفاذ کی تمام روداد اوپر لے جا کر خدا کے حضور میں پیش کر دیتے ہیں۔

۶۔ لہٰذا اُس کو ہرگز ضرورت نہیں ہے کہ اُس کے کوئی شرکا ہوں جو اِس عظیم کائنات کا نظم چلانے کے لیے اُس کی مدد کریں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... علم الٰہی کے اِس احاطے کی وضاحت اِس مقصد سے کی گئی ہے کہ شرک کے عوامل میں سے ایک بہت بڑا عامل مشرکین کا یہ مغالطہ ہے کہ بھلا اتنی ناپیدا کنار کائنات کے ہر کونے اور گوشے، ہر ایک کے قول و عمل اور ہر ایک کے دکھ اور درد سے خدا ہر لحہ کس طرح واقف رہ سکتا ہے! اِس وجہ سے اپنے تصور کے مطابق اِس کائنات کے مختلف حصوں کو اُنھوں نے الگ الگ دیوتاؤں میں تقسیم کیا۔ اُس کا تقرب حاصل کرنے اور اُس کو اپنی ضروریات سے آگاہ کرنے کے لیے وسائل و وسائط ایجاد کیے۔ جنوں کو آسمان کی خبریں لانے والا مان کر اُن کی پرستش کی، فرشتوں کو شفاعت کرنے والا سمجھ کر اُن کو دیویوں کا درجہ دیا۔ اِس آیت نے اِن تمام توہمات پر ضرب لگائی کہ خدا کا علم ہر چیز کو محیط ہے، اِس وجہ سے کوئی اُس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ وہ اپنی پوری کائنات کے سارے نظام پر خود حاوی اور تنہا کافی ہے۔" (تدبر قرآن ۶/۲۹۱)

۷۔ لہٰذا کوئی غلطی اور کوتاہی ہو جائے تو اُس کے لیے بھی کسی دوسرے کی سعی و سفارش کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر گناہ گار کو براہ راست اُسی کے دروازے پر آنا چاہیے۔

۸۔ جس طنطنے کے ساتھ منکرین انکار کر رہے تھے، یہ اُسی زور کے ساتھ اُس کا جواب ہے۔

اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۳﴾ لِّيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۴﴾ وَالَّذِيۡنَ سَعَوۡ فِىۡۤ
اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيۡنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِيۡمٌ ﴿۵﴾
وَيَرَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ هُوَ الۡحَقَّ ۙ وَيَهۡدِىۡۤ
اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ﴿۶﴾

آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے، نہ زمین میں، نہ ذرے سے چھوٹی نہ بڑی، بلکہ ایک کھلی کتاب میں لکھ دی گئی ہے۔[۹] اِس لیے کہ وہ اُن لوگوں کو صلہ دے جو ایمان لائے اور اُنھوں نے اچھے عمل کیے ہیں۔ وہی ہیں جن کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔[۱۰] اور جو ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کی کوشش میں سرگرم ہیں، وہی ہیں جن کے لیے بلا کا دردناک عذاب ہے۔[۱۱] ۳-۵

اِس کے برخلاف جن کو علم عطا ہوا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ جو تمھارے پروردگار کے ہاں سے تمھاری طرف نازل کیا گیا ہے، وہی حق ہے اور وہ خداے عزیز و حمید کا راستہ دکھاتا ہے۔[۱۲] ۶

۹۔ یہ اُن کے اِس مغالطے کو رفع کیا ہے کہ اتنی وسیع دنیا اور اتنے بے شمار انسانوں کے ہر قول و فعل کا حساب آخر کس طرح ممکن ہو گا؟

۱۰۔ یعنی اگر کوئی گناہ یا غلطی ہوئی ہے تو اُس کی معافی اور خدا کے بے نہایت افضال و عنایات۔ 'رِزۡقٌ كَرِيۡمٌ' اِنھی افضال و عنایات کے لیے قرآن کی ایک جامع تعبیر ہے۔

۱۱۔ اوپر امکان قیامت کا ذکر تھا۔ یہ اب اُس کی ضرورت بیان فرما دی ہے کہ اگر وہ نہ برپا ہو تو اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا کے نزدیک نیک و بد، دونوں یکساں ہیں، دراں حالیکہ یہ بالکل خلاف عقل اور حق و انصاف سے بعید بات ہے۔

۱۲۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ احمقوں اور لاخیروں کی پروا نہ کرو۔ تمھارے اطمینان کے لیے یہی چیز کافی ہے کہ جن کے اندر علم و معرفت کی روشنی ہے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا تمھاری قوم کے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ
مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ﴿۷﴾ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾
اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ
نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اُس کے منکرین، البتہ (تمھارا مذاق اڑاتے اور) کہتے ہیں کہ (لوگو)، کیا ہم تمھیں ایک ایسا آدمی بتائیں جو تمھیں خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو از سر نو پیدا کیے جاؤ گے؟ یہ خدا پر جھوٹ باندھ لایا ہے یا اِس کو کسی طرح کا جنون ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہی عذاب میں اور دور کی گم راہی میں مبتلا ہیں۔[13] ۷-۸

تو کیا اِنھوں نے اپنے آگے اور پیچھے جو آسمان اور زمین ہیں، اُن کی طرف نہیں دیکھا؟ اگر ہم چاہیں تو اِن کو اِسی زمین میں دھنسا دیں یا اِن پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔[14] حقیقت یہ ہے کہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سلیم الفطرت لوگوں میں سے، وہ تمھاری تائید کر رہے ہیں۔ آیت میں 'عَزِیْز' اور 'حَمِیْد' کی صفات یہ بتانے کے لیے لائی گئی ہیں کہ توحید اور قیامت جن کا اثبات یہاں پیش نظر ہے، دونوں اِن صفات الٰہی کا بھی لازمی تقاضا ہیں۔ اِس سے ضمناً یہ بات بھی واضح ہوئی کہ حقیقی علم قرآن کی اصطلاح میں صرف خدا کی معرفت اور آخرت کا علم ہے۔

۱۳۔ یعنی ایسی دور کی گم راہی میں مبتلا ہیں کہ اب واپسی کا بھی امکان نہیں رہا۔ اِس لیے گویا آج ہی اُس عذاب میں جا پڑے ہیں جس سے قیامت میں دوچار ہونے والے ہیں۔ یہ قرآن نے اِن متمردین کے استہزا کا جواب دیا ہے اور استاذ امام کے الفاظ میں، دیکھیے کہ کتنا باوقار اور موثر جواب دیا ہے۔

۱۴۔ یعنی خدا سے بے خوف نہ ہوں، یہی زمین و آسمان جن کے فوائد و برکات سے وہ صبح و شام متمتع ہو رہے ہیں، اُن کے لیے ہول ناک آفتوں کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔ یہ اُسی مضمون کا ایک نئے اسلوب میں اعادہ ہے

لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۹﴾

ہر اُس بندے کے لیے اِس میں بہت بڑی نشانی ہے جو متوجہ ہونے والا ہو۔[۱۵] ۹

جس سے سورہ کی ابتدا ہوئی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب خدا ہی کا ہے، اِس وجہ سے دنیا میں بھی شکر کا حقیقی سزاوار وہی ہے اور آخرت میں بھی اُسی کی حمد ہو گی۔ یہاں فرمایا کہ کیا اِن مستکبرین نے اِس حقیقت پر کبھی غور نہیں کیا کہ یہ آسمان جو اِن کے سروں پر شامیانے کی طرح تنا ہوا ہے اور یہ زمین جو اِن کے قدموں کے نیچے فرش کی طرح بچھی ہوئی ہے اور جن کے فوائد و برکات سے یہ متمتع ہو رہے ہیں، یہ اِن کے تھامے ہوئے نہیں تھمے ہیں، بلکہ اِن کو اللہ ہی نے تھام رکھا ہے؟ اگر اللہ نے اِن کو نہ تھام رکھا ہوتا تو یہ دونوں اِن کے لیے نعمتوں کے بجائے نقمتوں کا ذریعہ بن جاتے۔“(تدبر قرآن ۶/ ۲۹۵)

۱۵۔ یعنی اپنے اندر حقیقت کی سچی طلب اور عبرت پذیری کی صلاحیت رکھتا ہو۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: ڈاکٹر محمد عامر گزدر

علامات قیامت

(۵)

دجال کا خروج

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ـــ ۲۴ ـــ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ:[۱] حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَّالِ، فَكَانَ فِيمَا يُحَدِّثُنَا بِهِ أَنَّهُ قَالَ: «يَأْتِي الدَّجَّالُ، وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ المَدِينَةِ، فَيَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي تَلِي المَدِينَةَ،[۲] فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ، وَهُوَ خَيْرُ النَّاسِ - أَوْ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ - فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِي حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَهُ، فَيَقُولُ الدَّجَّالُ: أَرَأَيْتُمْ إِنْ قَتَلْتُ هٰذَا، ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ، هَلْ تَشُكُّونَ فِي الأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ: لاَ، فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ، فَيَقُولُ [حِينَ يُحْيَى:[۳]] وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ [قَطُّ[۴]] فِيكَ أَشَدَّ بَصِيرَةً

مِنِّي اليَوْمَ،[5] فَيُرِيدُ الدَّجَّالُ أَنْ يَقْتُلَهُ [الثَّانِيَةَ[6]] فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ».

وَعَنْهُ فِي رِوَايَةٍ، قَالَ:[7] قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَيَتَوَجَّهُ قِبَلَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، فَتَلْقَاهُ الْمَسَالِحُ - مَسَالِحُ الدَّجَّالِ - فَيَقُولُونَ لَهُ: أَيْنَ تَعْمِدُ؟ فَيَقُولُ: أَعْمِدُ إِلَى هٰذَا الَّذِي خَرَجَ، قَالَ: فَيَقُولُونَ لَهُ: أَوَ مَا تُؤْمِنُ بِرَبِّنَا؟ فَيَقُولُ: مَا بِرَبِّنَا خَفَاءٌ، فَيَقُولُونَ: اقْتُلُوهُ، فَيَقُولُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَلَيْسَ قَدْ نَهَاكُمْ رَبُّكُمْ أَنْ تَقْتُلُوا أَحَدًا دُونَهُ، قَالَ: فَيَنْطَلِقُونَ بِهِ إِلَى الدَّجَّالِ، فَإِذَا رَآهُ الْمُؤْمِنُ، قَالَ: يَاأَيُّهَا النَّاسُ، هَذَا الدَّجَّالُ الَّذِي ذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَيَأْمُرُ الدَّجَّالُ بِهِ فَيُشَبَّحُ، فَيَقُولُ: خُذُوهُ وَشُجُّوهُ، فَيُوسَعُ ظَهْرُهُ وَبَطْنُهُ ضَرْبًا، قَالَ: فَيَقُولُ: أَوَ مَا تُؤْمِنُ بِي؟ قَالَ: فَيَقُولُ: أَنْتَ الْمَسِيحُ الْكَذَّابُ، قَالَ: فَيُؤْمَرُ بِهِ فَيُؤْشَرُ بِالْمِئْشَارِ مِنْ مَفْرِقِهِ حَتَّى يُفَرَّقَ بَيْنَ رِجْلَيْهِ، قَالَ: ثُمَّ يَمْشِي الدَّجَّالُ بَيْنَ الْقِطْعَتَيْنِ، ثُمَّ يَقُولُ لَهُ: قُمْ، فَيَسْتَوِي قَائِمًا، قَالَ: ثُمَّ يَقُولُ لَهُ: أَتُؤْمِنُ بِي؟ فَيَقُولُ: مَا ازْدَدْتُ فِيكَ إِلَّا بَصِيرَةً، قَالَ: ثُمَّ يَقُولُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّهُ لَا يَفْعَلُ بَعْدِي بِأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ، قَالَ: فَيَأْخُذُهُ الدَّجَّالُ لِيَذْبَحَهُ، فَيُجْعَلَ مَا بَيْنَ رَقَبَتِهِ إِلَى تَرْقُوَتِهِ نُحَاسًا، فَلَا يَسْتَطِيعُ إِلَيْهِ سَبِيلًا، قَالَ: فَيَأْخُذُ بِيَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَيَقْذِفُ بِهِ، فَيَحْسِبُ النَّاسُ أَنَّمَا قَذَفَهُ إِلَى النَّارِ، وَإِنَّمَا أُلْقِيَ فِي الْجَنَّةِ» فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هٰذَا أَعْظَمُ النَّاسِ شَهَادَةً

عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ».

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز لمبی گفتگو فرمائی، اور ہمیں دجال کے بارے میں بتایا۔ پھر اپنی اِس گفتگو میں آپ نے فرمایا کہ دجال یہاں بھی آ پہنچے گا، لیکن اُس کے لیے ممکن نہیں ہو گا کہ وہ مدینہ کے راستوں میں داخل ہو سکے۔ لہٰذا وہ مدینہ کے قریب کسی شوریلی زمین پر پڑاؤ ڈال دے گا۔ اُس وقت (مدینہ سے) نکل کر ایک شخص اُس کے پاس جائے گا، جو لوگوں میں سب سے بہتر ہو گا یا فرمایا کہ بہترین لوگوں میں سے ہو گا۔ وہ (اُس سے) کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی خبر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اِس پر دجال (لوگوں سے) کہے گا: کیا خیال ہے، اگر میں اِسے قتل کر دوں، پھر زندہ کروں تو میرے معاملے میں اِس کے بعد بھی کوئی شبہ باقی رہ جائے گا؟ لوگ کہیں گے: نہیں۔ چنانچہ دجال اُس کو قتل کرے گا، پھر زندہ کر دے گا۔[1] اب زندہ کیے جانے پر وہ آدمی کہے گا: بخدا، جیسی بصیرت تمھارے متعلق آج مجھے حاصل ہوئی ہے، اِس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ دجال یہ سن کر اُس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا، لیکن اُسے یہ قدرت اُس شخص پر حاصل نہ ہو سکے گی۔[2]

یہی ابو سعید رضی اللہ عنہ ایک دوسری روایت میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال نکلے گا تو ایمان والوں میں سے ایک شخص اُس کا رخ کرے گا۔ راستے میں اُس کو دجال کے اسلحہ بردار محافظ ملیں گے اور اُس سے پوچھیں گے: کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ کہے گا: میں اِس شخص کی طرف جانا چاہتا ہوں، جو ظاہر ہوا ہے۔ وہ اُس سے کہیں گے: تم ہمارے رب پر ایمان نہیں رکھتے؟ وہ کہے گا: ہم جسے اپنا رب مانتے ہیں، اُس کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔[3] یہ سن کر وہ پکاریں گے: اِس کو قتل کر دو۔ پھر ایک دوسرے سے کہیں گے: کیا تمھارے رب نے اِس سے منع نہیں کر رکھا کہ تم اُس کی غیر موجودگی میں کسی کو قتل کرو؟ راوی کا بیان ہے کہ پھر وہ اُس کو دجال کے پاس لے جائیں گے۔ سو یہ بندۂ مومن جب اُس کو دیکھے گا تو کہے گا: لوگو، یہ وہی دجال

ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہتے ہیں کہ پھر دجال اُس شخص کے بارے میں حکم دے گا تو اُس کو کھینچ کر باندھ دیا جائے گا۔ پھر وہ کہے گا: اِس کو پکڑو اور اِس کا سر اور منہ توڑ دو۔ پھر مار مار کر اُس کا پیٹ اور کمر چوڑی کر دی جائے گی۔ پھر دجال کہے گا: کیا تم مجھ پر ایمان نہیں لاؤ گے؟ اِس پر وہ کہے گا: تم جھوٹے مسیح ہو۔ کہتے ہیں کہ پھر اُس کے بارے میں حکم دیا جائے گا تو اُس کو آری کے ساتھ اُس کے سر کے درمیان سے (نیچے تک) اِس طرح چیرا جائے گا کہ اُس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ پھر دجال (اُس کے جسم کے) دونوں حصوں کے درمیان میں چلے گا۔ پھر اُس (مردے) سے کہے گا: کھڑے ہو جاؤ تو وہ سیدھا کھڑا ہو جائے گا۔ پھر اُس سے کہے گا: کیا اب مجھ پر ایمان لاتے ہو؟ اِس پر وہ کہے گا: (یہ تم نے جو کچھ کیا ہے)، اِس سے تمھارے متعلق میری بصیرت میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ پھر وہ شخص (پکار کر) کہے گا: لوگو، (آگاہ رہو)، اب میرے بعد یہ (دجال) لوگوں میں سے کسی کے ساتھ ایسا نہیں کر سکے گا۔ کہتے ہیں کہ پھر دجال اُسے ذبح کرنے کے لیے پکڑے گا تو اُس کی گردن سے ہنسلی کی ہڈیوں تک اُس کا جسم تانبے کا بنا دیا جائے گا، سو وہ کسی طریقے سے اُس کو ذبح نہیں کر سکے گا۔[۴] پھر وہ اُس کے دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اُس کو پھینکے گا، جس سے لوگ خیال کریں گے کہ دجال نے اُس کو آگ میں پھینک دیا ہے، جب کہ وہ درحقیقت جنت میں ڈال دیا جائے گا۔[۵] اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پروردگار عالم کے نزدیک یہ شخص حق کی گواہی میں سب لوگوں سے بڑا ہو گا۔[۶]

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِسی طرح دکھایا گیا۔ مدعا یہ تھا کہ دجال لوگوں کو شعبدے بھی دکھائے گا۔ دور حاضر کے لحاظ سے دیکھا جائے تو نفسی علوم کے بجائے یہ سائنسی علوم کے شعبدے بھی ہو سکتے ہیں، جو اِس وقت بھی اِن علوم کے ماہرین اگر دھوکا دینے کا فیصلہ کر لیں تو نہایت آسانی کے ساتھ دکھا سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حقیقت ممثل کر کے دکھائی گئی۔ اِس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ اُسی طرح ظاہر بھی ہو گی، جس طرح کہ روایت میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس آدمی کو مارا جائے گا، وہ بھی وقتی طور پر ہوش و حواس کھو بیٹھے گا اور دیکھنے والے بھی سمجھیں گے کہ اُسے قتل کر دیا گیا ہے۔ شاہی درباروں

میں آکر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والے زمانۂ قدیم کے شعبدہ بازوں کے واقعات پڑھیے تو اُس میں مارنے اور جِلانے کی دسیوں مثالیں بالکل اِسی طرح کی مل جاتی ہیں۔

۲۔ یعنی اُس کے شعبدوں کی حقیقت کھل جائے گی اور لوگ دیکھ لیں گے کہ اُس سے جو کچھ صادر ہوتا ہے، وہ اُسی طرح کا فریب ہے، جس کا مظاہرہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں نفسی علوم کے ماہرین نے اپنے زمانے کے لحاظ سے کیا تھا۔

۳۔ یہ اُس کے رسوخ فی العلم کا بیان ہے۔ مدعا یہ ہے کہ ہم اپنے پروردگار کی ذات و صفات سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ کیا ہستی ہے۔ چنانچہ اِس طرح کے شعبدہ باز ہمیں اُس کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر سکتے۔

۴۔ یہ اُسی مشاہدے کی تفصیلات ہیں جو اوپر بالاجمال بیان ہوا ہے۔ ایک بندۂ مومن کے رسوخ اور استقامت کے مقابلے میں دجال کی ناکامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِسی طرح ممثل کر کے دکھائی گئی۔

۵۔ یعنی اُس کے ساتھ وہی معاملہ ہو گا جو آل فرعون کے مومن کے ساتھ ہوا تھا۔ لوگ سمجھیں گے کہ اُس کو آگ میں جلا دیا گیا، مگر خدا کے فرشتے اُس کی روح قبض کر کے اُس کو جنت میں پہنچا دیں گے۔

۶۔ اِس لیے کہ اُس نے یہ سب اُس فتنے کے مقابلے میں کیا ہو گا جسے انبیا علیہم السلام نے انسانی تاریخ کا سب سے بڑا فتنہ قرار دیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح بخاری، رقم ۱۳۲ ۷ سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کے معمولی تفاوت کے ساتھ اِس کے متابعات اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: جامع معمر بن راشد، رقم ۲۰۸۲۴۔ مسند احمد، رقم ۱۱۳۱۸۔ صحیح بخاری، رقم ۱۸۸۲۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۸۔ الفتن، حنبل بن اسحاق، رقم ۴۳۔ السنۃ، ابن ابی عاصم، رقم ۳۹۰۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۴۲۶۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۸۰۱۔ مسند الشامیین، طبرانی، رقم ۳۱۲۵۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۲۸۔

۲۔ بعض روایتوں، مثلاً صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۸ میں یہاں 'فَيَنْتَهِي إِلَى بَعْضِ السِّبَاخِ الَّتِي تَلِي الْمَدِينَةَ'، ''لہٰذا وہ مدینہ کے قریب کسی شوریلی زمین کے پاس پہنچے گا'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

۳۔ جامع معمر بن راشد، رقم ۲۰۸۲۴۔ بعض طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۱۳۱۸ میں یہاں 'حِينَ يَحْيَا'، ''جب وہ زندہ ہو گا'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں، جب کہ بعض طرق، مثلاً صحیح بخاری، رقم ۱۸۸۲ میں 'حِينَ يُحْيِيهِ'، ''جب وہ اُسے زندہ کرے گا'' کے الفاظ منقول ہیں۔

۴۔ صحیح بخاری، رقم ۱۸۸۲۔

۵۔ اکثر طرق، مثلاً صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۸ میں یہاں 'اليَوْمَ' کے بجائے 'الْآنَ' کا لفظ آیا ہے۔

۶۔ مسند احمد، رقم ۱۱۳۱۸۔

۷۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۸۔

۲۵

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:[1] «تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ»، قُلْنَا: نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے صحابہ سے) فرمایا: دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا: ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔[1]

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ امتثال امر اِسی جذبۂ انقیاد سے کرتے تھے۔ آپ نے جس طرح تعوذ کے دوسرے کلمات اُنھیں سکھائے ہیں، اُسی طرح دجال کے فتنے سے تعوذ کی تعلیم بھی دی ہے۔ اِس کے ظہور کا وقت چونکہ کسی کے علم میں نہیں ہے، اِس لیے وہ بھی اِس سے پناہ مانگتے رہے اور ہمیں بھی اِسی طریقے سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۱۲۱ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مراجع میں دیکھ

لیے جا سکتے ہیں: مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۱۲۲۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۲۵۴۔ صحیح مسلم، رقم ۲۸۶۷۔ الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۲۰۵۷۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۵۲۰۳۔ معجم ابن اعرابی، رقم ۳۵۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۸۴۷۴۔ المخلصیات، ابو طاہر، رقم ۳۶۸۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۶۵۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ، لالکائی، رقم ۲۱۲۹۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۸۹، ۲۰۳۔

ـــ ۲۶ ـــ

إِنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ:[1] سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ. وَعَنْهَا فِي لَفْظٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَعِيذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں فتنۂ دجال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے سنا ہے۔ سیدہ ہی سے بعض طرق میں یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر اور فتنۂ دجال سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔[1]

۱۔ پچھلی روایت میں جس چیز کی تلقین کی گئی ہے، یہ اُسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کا بیان ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۱۲۹۷ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات کے مراجع یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۲۶۳۲۷۔ صحیح مسلم، رقم ۵۸۷۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۰۶۵، ۵۵۰۴۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۲۰۳، ۷۶۷۴، ۷۸۸۸۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم ۸۵۲۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۲۰۴۲۔

۲۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۷۶۷۴۔

ـــ ۲۷ ـــ

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، أَنَّ النَبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:[۱] «مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ[۲] عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ»[۳].

وَعَنْهُ فِي بَعْضِ الطُّرُقِ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:[۴] «مَنْ قَرَأَ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنَ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ».

ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں محفوظ رکھیں،[۱] وہ دجال کے فتنے سے بچا رہے گا۔ اِنھی ابودرداء سے بعض طرق میں یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۂ کہف کی آخری دس آیات تلاوت کیں، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔[۲]

۱۔ یعنی اُنھیں یاد کیا، بار بار پڑھا اور اُن کے مضمون کو برابر زیر غور رکھا۔ ابتدائی آیات کا ذکر یہاں راوی کی غلطی ہے، اِس لیے کہ پیش نظر مقصد کے ساتھ اُن کے مضمون کی نہ صرف یہ کہ کوئی مناسبت نہیں ہے، بلکہ اپنی الگ حیثیت میں اُن کا فصل بھی محل نظر ہے۔

۲۔ ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ دجال کے فتنے سے جو چیز لوگوں کو محفوظ رکھے گی، وہ اللہ کی کتاب کے ساتھ اُن کا تعلق اور دین کے علم میں رسوخ ہی ہے۔ روایتوں میں یہی حقیقت اِس طرح بیان ہوئی ہے کہ ہر بندۂ مومن اُس کی پیشانی پر 'کفر' لکھا ہوا پڑھ لے گا۔ سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں قرآن کے خاص اسلوب میں دین کی پوری دعوت بڑے موثر طریقے سے بیان کرتی ہیں۔ روایت کی نسبت اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے تو آپ نے یہ غالباً اِنھی کے بارے میں فرمایا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۲۷۵۴۰ سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے باقی

طرق اِن مراجع میں دیکھے لیے جا سکتے ہیں: مشیخۃ ابن طہمان، رقم ۲۰۲۔ فضائل القرآن، قاسم بن سلام، ۲۴۵۔ مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۳۸۔ مسند احمد، رقم ۲۱۷۱۲، ۲۷۵۱۶، ۲۷۵۴۰، ۲۷۵۴۲۔ صحیح مسلم، رقم ۸۰۹۔ سنن ابی داود، رقم ۴۳۲۳۔ سنن ترمذی، رقم ۲۸۸۶۔ فضائل القرآن، ابن ضریس، رقم ۲۰۹۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۷۹۷۱، ۱۰۷۱۹، ۱۰۷۲۰، ۱۰۷۲۱۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۳۷۸۰، ۳۷۸۱، ۳۷۸۳، ۳۷۸۴، ۳۹۴۰، ۳۹۴۱۔ امالی المحاملی، روایۃ ابن یحییٰ البیع، رقم ۳۵۶۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۸۵، ۷۸۶۔ عمل الیوم واللیلۃ، ابن السنی، رقم ۶۷۶۔ مستدرک حاکم، رقم ۳۳۹۱۔ المسند المستخرج علیٰ صحیح مسلم، ابو نعیم، رقم ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵۔ السنن الواردۃ فی الفتن، دانی، رقم ۶۵۷۔ السنن الصغریٰ، بیہقی، رقم ۹۶۶۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۵۹۹۷۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۲۲۱۹۔ معرفۃ السنن والآثار، بیہقی، رقم ۶۶۸۳، ۶۶۸۴۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ کی اِس روایت کا ایک شاہد ثوبان رضی اللہ عنہ سے بھی نقل ہوا ہے، جس کی روایتیں اِن مراجع میں آئی ہیں: فضائل القرآن، ابن ضریس، رقم ۲۰۵۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۰۷۱۸۔ مسند رویانی، رقم ۶۱۳۔

۲۔ سنن ترمذی، رقم ۲۸۸۶ میں اِس کے بجاے یہاں 'مَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ الكَهْفِ'، ''جس شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیات تلاوت کیں'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

۳۔ بعض روایتوں، مثلاً المسند المستخرج علیٰ صحیح مسلم، ابو نعیم، رقم ۱۸۳۵ میں یہاں 'لَمْ يَضُرَّهُ فِتْنَةُ الدَّجَّالِ'، ''دجال کا فتنہ اُسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۴۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۰۷۲۰۔

المصادر والمراجع

ابن أبي أسامة أبو محمد الحارث بن محمد بن داهر التميمي البغدادي. (١٤١٣هـ/١٩٩٢م). **بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث**. ط١. تحقيق: د. حسين أحمد صالح الباكري. المدينة المنورة: مركز خدمة السنة والسيرة النبوية.

ابن أبي شيبة أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي. (١٩٩٧م). **المسند**. ط١. تحقيق: عادل بن يوسف العزازي وأحمد بن فريد المزيدي. الرياض: دار الوطن.

ابن أبي شيبة أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي. (١٤٠٩هـ). **المصنف في الأحاديث والآثار**. ط١.

تحقيق: كمال يوسف الحوت. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن أبي عاصم أبو بكر أحمد بن عمرو الشيباني. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **الآحاد والمثاني**. ط١. تحقيق: د. باسم فيصل أحمد الجوابرة. الرياض: دار الراية.

ابن أبي عاصم أبو بكر أحمد بن عمرو الشيباني. (١٤٠٠هـ). **السنة**. ط١. تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني. بيروت: المكتب الإسلامي.

ابن الأعرابي أبو سعيد أحمد بن محمد البصري. (١٤١٨هـ/١٩٩٧م). **المعجم**. ط١. تحقيق وتخريج: عبد المحسن بن إبراهيم بن أحمد الحسيني. الناشر: الدمام: دار ابن الجوزي.

ابن بشران أبو القاسم عبد الملك بن محمد. (١٤١٨هـ/١٩٩٧م). **الأمالي**. ط١. الرياض: دار الوطن.

ابن بَطَّة أبو عبد الله عبيد الله بن محمد العُكْبَري. (١٤١٥هـ/١٩٩٤م). **الإبانة الكبرى**. ط٢. تحقيق: رضا بن نعسان معطي. الرياض: دار الراية للنشر والتوزيع.

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان البُستي. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **الصحيح**. ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان البُستي. (١٣٩٦هـ). **المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين**. ط١. تحقيق: محمود إبراهيم زايد. حلب: دار الوعي.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **تقريب التهذيب**. ط١. تحقيق: محمد عوامة. سوريا: دار الرشيد.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **تهذيب التهذيب**. ط١. بيروت: دار الفكر.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري**. د.ط. بيروت: دار المعرفة.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (٢٠٠٢م). **لسان الميزان**. ط١. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. د.م: دار البشائر الإسلامية.

ابن حيويه محمد بن العباس بن محمد أبو عمر الخزاز. (٢٠٠٤م). **السادس من مشيخة ابن حيويه**. ط١. مخطوط نُشر في برنامج جوامع الكلم المجاني التابع لموقع الشبكة الإسلامية.

ابن خزيمة أبو بكر محمد بن إسحٰق النيسابوري. (د.ت). **الصحيح**. د.ط. تحقيق: د. محمد مصطفى الأعظمي. بيروت: المكتب الإسلامي.

ابن خزيمة أبو بكر محمد بن إسحٰق النيسابوري. (١٤١٤هـ/١٩٩٤م). **كتاب التوحيد وإثبات صفات**

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الرب. ط٥. تحقيق: عبد العزيز بن إبراهيم الشهوان. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن راهويه إسحٰق بن إبراهيم الحنظلي المروزي. (١٤١٢هـ/١٩٩١م). **المسند**. ط١. تحقيق: د. عبد الغفور بن عبد الحق البلوشي. المدينة المنورة: مكتبة الإيمان.

ابن سعد أبو عبد الله محمد بن سعد البصري البغدادي. (١٤٢١هـ/٢٠٠١م). **الطبقات الكبرى**. ط١. تحقيق: علي محمد عمر. القاهرة: مكتبة الخانجي.

ابن السُّني أحمد بن محمد الدينوري. (د.ت). **عمل اليوم والليلة سلوك النبي مع ربه عز وجل ومعاشرته مع العباد**. د.ط. تحقيق: كوثر البرني. جدة: دار القبلة للثقافة الإسلامية.

ابن الضريس أبو عبد الله محمد بن أيوب البجلي الرازي. (١٤٠٨هـ/١٩٨٧م). **فضائل القرآن وما أنزل من القرآن بمكة وما أنزل بالمدينة**. ط١. تحقيق: غزوة بدير. دمشق: دار الفكر.

ابن طهمان أبو سعيد إبراهيم بن طهمان الخراساني الهروي. (١٤٠٣هـ/١٩٨٣م). **مشيخة ابن طهمان**. د.ط. تحقيق: محمد طاهر مالك. دمشق: مجمع اللغة العربية.

ابن قانع أبو الحسين عبد الباقي بن قانع بن مرزوق البغدادي. (١٤١٨هـ). **معجم الصحابة**. ط١. تحقيق: صلاح بن سالم المصراتي. المدينة المنورة: مكتبة الغرباء الأثرية.

ابن ماجه أبو عبد الله محمد القزويني. (د.ت). **السنن**. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي د.م: دار إحياء الكتب العربية.

ابن منده أبو عبد الله محمد بن إسحٰق العبدي. (١٤٠٦هـ). **الإيمان**. ط٢. تحقيق: د. علي بن محمد بن ناصر الفقيهي، بيروت: مؤسسة الرسالة.

أبو أمية محمد بن إبراهيم الخزاعي البغدادي ثم الطرسوسي. (٢٠٠٤م). **مسند أبي أمية الطرسوسي**. ط١. مخطوط نُشر في برنامج جوامع الكلم المجاني التابع لموقع الشبكة الإسلامية.

أبو بكر النجاد أحمد بن سلمان البغدادي. (٢٠٠٤م). **أمالي أبي بكر النجاد**. ط١. مخطوط نُشر في برنامج جوامع الكلم المجاني التابع لموقع الشبكة الإسلامية.

أبو داود سليمان بن الأشعث السِّجِسْتاني. (د.ت). **السنن**. د.ط. تحقيق: محمد محيي الدين عبد الحميد. بيروت: المكتبة العصرية.

أبو الشيخ عبد الله بن محمد بن جعفر الأصبهاني. (١٤١٢هـ/١٩٩٢م). **طبقات المحدثين بأصبهان والواردين عليها**. ط٢. تحقيق: عبد الغفور عبد الحق حسين البلوشي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

أبو طاهر المخلص محمد بن عبد الرحمٰن بن العباس البغدادي. (د.ت). **الفوائد المنتقاة من حديث أبي**

طاهر المخلص انتقاء ابن أبي الفوارس. ط١. تحقيق: أبي علي النظيف. بيروت: دار الكتب العلمية.

أبو عوانة يعقوب بن إسحٰق الإسفراييني النيسابوري. (١٤١٩هـ/١٩٩٨م). **المستخرج.** ط١. تحقيق: أيمن بن عارف الدمشقي. بيروت: دار المعرفة.

أبو الفضل عبيد الله بن عبد الرحمٰن الزهري البغدادي. (١٤١٨هـ/١٩٩٨م). **حديث أبي الفضل الزهري.** ط١. دراسة وتحقيق: الدكتور حسن بن محمد بن علي شبالة البلوط. الرياض: أضواء السلف.

أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني. (١٤١٠هـ/١٩٩٠م). **أخبار أصبهان.** ط١. تحقيق: سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني. (١٣٩٤هـ/١٩٧٤م). **حلية الأولياء وطبقات الأصفياء.** د.ط. بيروت: دار الكتاب العربي.

أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني. (١٤٢٢هـ/٢٠٠١م). **صفة النفاق ونعت المنافقين.** ط١. تقديم وتحقيق: الدكتور عامر حسن صبري. بيروت: البشائر الإسلامية.

أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني. (١٤١٧هـ/١٩٩٦م). **المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم.** ط١. تحقيق: محمد حسن محمد حسن إسمٰعيل الشافعي. بيروت: دار الكتب العلمية.

أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني. (١٤١٩هـ/١٩٩٨م). **معرفة الصحابة.** ط١. تحقيق: عادل بن يوسف العزازي. الرياض: دار الوطن للنشر.

أبو يعلى أحمد بن علي التميمي الموصلي. **المسند.** (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م) ط١. تحقيق: حسين سليم أسد. دمشق: دار المأمون للتراث.

أبو يعلى أحمد بن علي التميمي الموصلي. (١٤٠٥هـ). **المفاريد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.** ط١. تحقيق: عبد الله بن يوسف الجديع. الكويت: مكتبة دار الأقصى.

الآجُري أبو بكر محمد بن الحسين البغدادي. (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م). **الشريعة.** ط٢. تحقيق: الدكتور عبد الله بن عمر بن سليمان الدميجي. الرياض: دار الوطن.

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني. (١٤٢١هـ/٢٠٠١م). **المسند.** ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط، وعادل مرشد، وآخرون. بيروت: مؤسسة الرسالة.

إسمٰعيل بن جعفر بن أبي كثير أبو إسحٰق الأنصاري المدني. (١٤١٨هـ/١٩٩٨م). **حديث علي بن حجر السعدي عن إسمٰعيل بن جعفر المدني.** ط١. دراسة وتحقيق: عمر بن رفود بن رفيد السّفياني. الرياض: مكتبة الرشد للنشر.

البخاري، محمد بن إسمٰعيل، أبو عبدالله الجعفي. (١٤٠٩هـ/١٩٨٩م). **الأدب المفرد**. ط٣. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار البشائر الإسلامية.

البخاري محمد بن إسمٰعيل أبو عبد الله الجعفي. (١٤٢٢هـ). **الجامع الصحيح**. ط١. تحقيق: محمد زهير بن ناصر الناصر. بيروت: دار طوق النجاة.

البزار أبو بكر أحمد بن عمرو العتكي. (٢٠٠٩م). **المسند**. ط١. تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين الله، وعادل بن سعد، وصبري عبد الخالق الشافعي. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٠٥هـ). **إثبات عذاب القبر وسؤال الملكين**. ط٢. تحقيق: د. شرف محمود القضاة. عمان الأردن: دار الفرقان.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤١٧هـ). **الأسماء والصفات**. ط١. تحقيق: أ. د. عبد الرحمٰن عميرة. بيروت: دار الجيل.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤١٠هـ/١٩٨٩م). **السنن الصغرى**. ط١. تحقيق: عبد المعطي أمين قلعجي. كراتشي: جامعة الدراسات الإسلامية.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٢٤هـ/٢٠٠٣م). **السنن الكبرى**. ط٣. تحقيق: محمد عبد القادر عطا. بيروت: دار الكتب العلمية.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٢٣هـ/٢٠٠٣م). **شعب الإيمان**. ط١. تحقيق: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد. الرياض: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤١٢هـ/١٩٩١م). **معرفة السنن والآثار**. ط١. تحقيق: عبد المعطي أمين قلعجي. القاهرة: دار الوفاء.

الترمذي أبو عيسى محمد بن عيسى. (١٣٩٥هـ/١٩٧٥م). **السنن**. ط٢. تحقيق وتعليق: أحمد محمد شاكر، ومحمد فؤاد عبد الباقي، وإبراهيم عطوة عوض. مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي.

تمام بن محمد أبو القاسم الرازي البجلي. (١٤١٢هـ). **الفوائد**. ط١. تحقيق: حمدي عبد المجيد السلفي. الرياض: مكتبة الرشد.

الجندي أبو سعيد المفضل بن محمد بن إبراهيم. (١٤٠٧هـ). **فضائل المدينة**. ط١. تحقيق: محمد مطيع الحافظ، غزوة بدير. دمشق: دار الفكر.

الحاكم أبو عبد الله محمد بن عبد الله النيسابوري. (١٤١١هـ/١٩٩٠م). **المستدرك على الصحيحين**. ط١. تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الحربي أبو إسحاق إبراهيم بن إسحٰق. (١٤٠٥هـ). **غريب الحديث**. ط١. تحقيق: د. سليمان إبراهيم محمد العايد. مكة المكرمة: جامعة أم القرى.

الحسن بن موسى الأَشيَب أبو علي القاضي البغدادي. (١٤١٠هـ/١٩٩٠م). **جزء فيه أحاديث الحسن بن موسى الأشيب**. ط١. تحقيق: أبو ياسر خالد بن قاسم الردادي. الفجيرة: دار علوم الحديث.

الحميدي أبو بكر عبد الله بن الزبير القرشي الأسدي. (١٩٩٦م). **المسند**. ط١. تحقيق وتخريج: حسن سليم أسد الداراني. دمشق: دار السقا.

حنبل بن إسحٰق بن حنبل أبو علي الشيباني. (١٤١٩هـ/١٩٩٨م). **الفتن**. ط١. تحقيق: عامر حسن صبري. لبنان: دار البشائر الإسلامية.

الخطابي أبو سليمان حمد بن محمد الخطاب البستي. (١٣٥١هـ/١٩٣٢م). **معالم السنن**. ط١. حلب: المطبعة العلمية.

الخطيب أبو بكر أحمد بن علي البغدادي. (د.ت). **الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع**. (د.ط). تحقيق: د. محمود الطحان. الرياض: مكتبة المعارف.

الداني أبو عمرو عثمان بن سعيد. (١٤١٦م). **السنن الواردة في الفتن وغوائلها والساعة وأشراطها**. ط١. تحقيق: د. رضاء الله بن محمد إدريس المباركفوري. الرياض: دار العاصمة.

الذهبي شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **سير أعلام النبلاء**. ط٣. تحقيق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرنؤوط. د.م: مؤسسة الرسالة.

الذهبي شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد. (١٤١٣هـ/١٩٩٢م). **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة**. ط١. تحقيق: محمد عوامة أحمد محمد نمر الخطيب. جدة: دار القبلة للثقافة الإسلامية–مؤسسة علوم القرآن.

الروياني أبو بكر محمد بن هارون. (١٤١٦هـ). **المسند**. ط١. تحقيق: أيمن علي أبو يماني. القاهرة: مؤسسة قرطبة.

السَّرَّاج أبو العباس محمد بن إسحٰق النيسابوري. (١٤٢٥ هـ/٢٠٠٤م). **حديث السراج**. ط١. تحقيق: أبو عبد الله حسين بن عكاشة بن رمضان. القاهرة: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر.

السيوطي جلال الدين عبد الرحمٰن بن أبي بكر. (١٤١٦هـ/١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج**. ط١. تحقيق وتعليق: أبو اسحٰق الحويني الأثري. الخبر: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي أبو سعيد الهيثم بن كليب البِنْكَثي. (١٤١٠هـ) **المسند**. ط١. تحقيق: د. محفوظ الرحمٰن زين الله.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (١٤٠٥هـ/١٩٨٤م). **مسند الشاميين**. ط١. تحقيق: حمدي بن عبدالمجيد السلفي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (د.ت). **المعجم الأوسط**. د.ط. تحقيق: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني. القاهرة: دار الحرمين.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي. (د.ت). **المعجم الكبير**. ط٢. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. القاهرة: مكتبة ابن تيمية.

الطحاوي أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي المصري. (١٤١٥هـ/١٤٩٤م). **شرح مشكل الآثار**. ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

الطيالسي أبو داود سليمان بن داود البصرى. (١٤١٩هـ/١٩٩٩م). **المسند**. ط١. تحقيق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي. مصر: دار هجر.

الطيبي شرف الدين الحسين بن عبد الله. (١٤١٧هـ/١٩٩٧م). **الكاشف عن حقائق السنن المعروف بـ شرح الطيبي على مشكاة المصابيح**. ط١. تحقيق: د. عبد الحميد هنداوي. مكة المكرمة: مكتبة نزار مصطفى الباز.

عبد الحميد بن حميد بن نصر الكَسّي. (١٤٠٨هـ/١٩٨٨م). **المنتخب من مسند عبد بن حميد**. ط١. تحقيق: صبحي البدري السامرائي، محمود محمد خليل الصعيدي. القاهرة: مكتبة السنة.

عبد الله بن أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنة**. ط١. تحقيق: د. محمد بن سعيد بن سالم القحطاني. الدمام: دار ابن القيم.

عفان بن مسلم بن عبد الله أبو عثمان الباهلی. (٢٠٠٤م). **أحاديث عفان بن مسلم**. (د.ط). تحقيق: حمزة أحمد الزين. القاهرة: دار الحديث.

العينى بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد الغيتابى الحنفى. (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م). **شرح سنن أبي داود**. ط١. تحقيق: أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصري. الرياض: مكتبة الرشد.

العينى بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد الغيتابى الحنفى. (د.ت). **عمدة القاري شرح صحيح البخاري**. د.ط. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

الفاكهي أبو عبد الله محمد بن إسحٰق المكي. (١٤١٤م). **أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه**. ط٢. تحقيق: د. عبد الملك عبد الله دهيش. بيروت: دار خضر.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

القاسم بن سلاّم أبو عُبيد الهروي البغدادي. (١٤١٥ﻫ/١٩٩٥م). **فضائل القرآن**. ط١. تحقيق: مروان العطية، ومحسن خرابة، ووفاء تقي الدين. دمشق: دار ابن كثير.

القاضى عياض بن موسى أبو الفضل اليحصبي. (١٤١٩ﻫ/١٩٩٨م). **إكمال المعلم بفوائد مسلم**. ط١. تحقيق: الدكتور يحيى إسمٰعيل. مصر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع.

الكشميري محمد أنور شاه بن معظم شاه الهندي ثم الديوبندي. (١٤٢٦ﻫ/٢٠٠٥م). **فيض الباري على صحيح البخاري**. ط١. تحقيق: محمد بدر عالم الميرتهي. بيروت: دار الكتب العلمية.

اللالكائي أبو القاسم هبة الله بن الحسن الرازي. (١٤٢٣ﻫ/٢٠٠٣م). **شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة**. ط٨. تحقيق: أحمد بن سعد بن حمدان الغامدي. الرياض: دار طيبة.

مالك بن أنس الأصبحي المدني. (١٤٠٦ﻫ/١٩٨٥م). **الموطأ**. د.ط. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

المحاملي أبو عبد الله الحسين بن إسمٰعيل البغدادي. (١٤١٢ﻫ). **أمالي المحاملي** (رواية ابن يحيى البيع). ط١. تحقيق: د. إبراهيم القيسي. الدمام: دار ابن القيم.

المخلِّص أبو طاهر محمد بن عبد الرحمٰن البغدادي. (١٤٢٩ﻫ/٢٠٠٨م). **المخلصيات وأجزاء أخرى لأبي طاهر المخلص**. ط١. تحقيق: نبيل سعد الدين جرار. قطر: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية لدولة قطر.

المروزي أحمد بن علي بن سعيد أبو بكر الأموي. (د.ت). **مسند أبي بكر الصديق**. (د.ط). تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: المكتب الإسلامي.

المزي أبو الحجاج يوسف بن الزكي عبدالرحمٰن. (١٤٠٠ﻫ/١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط١. تحقيق : د. بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم بن الحجاج النيسابوري. (د.ت). **الجامع الصحيح**. د.ط. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

المظهري الحسين بن محمود مظهر الدين الكوفي الشيرازي الحنفي. (١٤٣٣ﻫ/٢٠١٢م). **المفاتيح في شرح المصابيح**. ط١. تحقيق ودراسة: لجنة مختصة من المحققين بإشراف: نور الدين طالب. وزارة الأوقاف الكويتية: دار النوادر، وهو من إصدارات إدارة الثقافة الإسلامية.

معمر بن أبي عمرو راشد الأزدي البصري. (١٤٠٣ﻫ). **الجامع**. ط٢. تحقيق: حبيب الرحمٰن الأعظمي. بيروت:توزيع المكتب الإسلامي.

الملا القاري علي بن سلطان محمد أبو الحسن الهروي. (١٤٢٢هـ/٢٠٠٢م). **مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح**. ط١. بيروت: دار الفكر.

المناوي زين الدين محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفين القاهري. (١٤٠٨هـ/١٩٨٨م). **التيسير بشرح الجامع الصغير**. ط٣. الرياض: مكتبة الإمام الشافعي.

المناوي زين الدين محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفين القاهري. (١٣٥٦هـ). **فيض القدير شرح الجامع الصغير**. ط١. مصر: المكتبة التجارية الكبرى.

موسى شاهين لاشين. (١٤٢٣هـ/٢٠٠٢م). **فتح المنعم شرح صحيح مسلم**. ط١. القاهرة: دار الشروق.

النسائي أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب الخراساني. (١٤٢١هـ/٢٠٠٠م). **الإغراب: الجزء الرابع من حديث شعبة بن الحجاج وسفيان بن سعيد الثوري مما أغرب بعضهم على بعض**. ط١. تحقيق: أبو عبد الرحمٰن محمد الثاني بن عمر بن موسى. المدينة النبوية: دار المآثر.

النسائي أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب الخراساني. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنن الصغرى**. ط٢. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب الخراساني. (١٤٢١هـ/٢٠٠١م). **السنن الكبرى**. ط١. تحقيق وتخريج: حسن عبد المنعم شلبي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

النووي يحيى بن شرف أبو زكريا. (١٤٢٨هـ/٢٠٠٧م). **الإيجاز في شرح سنن أبي داود**. ط١. تقديم وتعليق وتخريج: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان. عمان – الأردن: الدار الأثرية.

النووي يحيى بن شرف أبو زكريا. (١٣٩٢هـ). **المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج**. ط٢. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اشراق

ڈاکٹر عرفان شہزاد

تعلیم کا کاروبار

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عوام، بشمول تعلیم یافتگان میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ تعلیم کو کاروبار بنا لینا کوئی قابل تحسین کام نہیں۔ تعلیم کی کوئی اجرت ہونی چاہیے یا بحالت مجبوری بقدر ضرورت ہی ہونی چاہیے۔ ان کے خیال میں تعلیم ایک مقدس عمل ہے۔ یہ پیغمبروں کا پیشہ ہے، اسے منافع بخش کاروبار نہیں بنا لینا چاہیے۔ نجی تعلیمی اداروں کی بھاری فیسوں کو اسی لیے ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پیشہ ورانہ تعلیم پیغمبروں کا پیشہ نہیں؛ پیغمبروں کا کام خدا کا دین لوگوں تک پہنچانا اور اس کی تعلیم دینا تھا۔ سائنس، سماجی علوم اور پیشہ ورانہ تعلیم پیغمبروں کا کام نہیں تھا۔ اس قسم کے علوم و فنون کے لیے انھیں بھی دوسرے لوگوں کی مدد کی ضرورت ہوتی تھی۔ ہمیں معلوم ہے کہ جنگ بدر کے غیر مسلم قیدیوں سے مسلم بچوں کو کتابت سکھائی گئی تھی اور یہی ان کی رہائی کا معاوضہ قرار پایا تھا۔

تعلیم و تدریس کے معاوضے کا معاملہ سمجھنے کے لیے یہ دیکھیے کہ خدا کے پیغمبر، جنھیں ان کی دینی مصروفیات کی وجہ سے کسب معاش کی پابندی سے آزاد رہنا پڑتا تھا، ان کے معاش کا انتظام بھی خدا کی اسکیم میں موجود تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ اور مال فے (جو جنگ لڑے بغیر ہاتھ آجائے) اللہ اور اس کے رسول کے لیے مخصوص کیا گیا تھا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ اور دیگر

ضرورت مندوں کے مصارف میں خرچ کرتے تھے[1]۔بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے یہ دستور رکھا تھا کہ بنی لاوی کا قبیلہ جن کے ذمے دینی امور کی انجام دہی تھی، ان کے اخراجات پوری قوم کے اموال سے ادا کیے جاتے تھے۔ چنانچہ دین کی تعلیم وتدریس کے لیے معاوضہ وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ عام لوگوں کے لیے خدا کی طرف سے ان کے معاش کے لیے ایسا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ ان کی خدمات لی جاتی ہیں تو معاوضہ بھی ادا کرنا ہوگا۔ اس تناظر میں یہ تصور کہ عام لوگوں کے لیے دنیاوی امور کی تعلیم سے بھی منافع کمانا درست یا قابل تحسین نہیں، دین اور حقائق، دونوں سے غیر متعلق بات ہے۔

جس طرح سستے اور معیاری علاج معالجہ کی فراہمی جدید ریاست کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے، اسی طرح سستی اور معیاری تعلیم کی فراہمی بھی اس کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ تیسری دنیا کے دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی تعلیم کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ یہ حکومت کی ترجیحات میں بہت نیچے ہے۔ اس صورت حال میں یہ بالکل فطری بات ہے کہ نجی شعبے سے حوصلہ مند، باصلاحیت افراد عوام کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے لیے

۱۔ 'وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ'، ''(تم نے پوچھا تھا تو) جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا تھا، اُس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے، اُس کے پیغمبر کے لیے، (پیغمبر کے) اقربا اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے خاص رہے گا۔ (یہ اللہ کا حکم ہے، اِس کی بے چون وچرا تعمیل کرو)، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اُس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتاری تھی، جس دن دونوں گروہوں میں مڈبھیڑ ہوئی تھی، اور (جان رکھو کہ) اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے'' (الانفال ۸: ۴۱)۔ 'مَاۤ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مِنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ ؕ وَمَاۤ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ ٭ وَمَا نَہٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ'، ''اِن بستیوں کے لوگوں سے اللہ جو کچھ اپنے رسول کی طرف پلٹائے، وہ اللہ اور رسول اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے خاص رہے گا تاکہ وہ تمھارے دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے۔ اور رسول (کا منصب یہی ہے کہ) جو تمھیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے روکے، اُس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے'' (الحشر ۵۹: ۷)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

آگے آئیں، ایسے ہی جیسے طب اور ٹرانسپورٹ وغیرہ کے میدان میں نجی سطح پر افراد اور کمپنیاں سہولیات فراہم کرتی اور اس سے مالی فوائد بھی حاصل کرتی ہیں۔

نجی کاروبار کرنا آسان کام نہیں، خصوصاً پاکستان میں، جہاں کاروبار کے لیے حالات اکثر غیر یقینیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے باوجود کاروبار کی ہمت جٹانے والے داد کے مستحق ہیں۔ انھیں ان کی ہمت اور محنت کا معاوضہ ملنا چاہیے۔

تعلیم بھی ایک کاروبار ہے۔ تعلیم کے لیے بھی اسی طرح انفراسٹرکچر درکار ہوتا ہے، جیسے کسی بھی دوسرے کاروبار کے لیے چاہیے ہوتا ہے۔ عمارت، اس کا کرایہ، لیبارٹری اور سپورٹس کا سامان، یوٹیلیٹی بلز، اور سب سے بڑھ کر اساتذہ اور دیگر عملے کی تنخواہیں۔ پھر اس ساری جدوجہد کا اطمینان بخش منافع ملنا اخلاقیات کے کسی پیمانے سے بھی غلط نہیں۔

نج کے تعلیمی اداروں میں ایک استاد کا تجربہ جتنا زیادہ ہوتا جاتا ہے، اس کی خدمات کی طلب بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور وہ زیادہ تنخواہ کا مطالبہ بھی کرتا ہے، جو اس کا حق ہے، کیونکہ ترقی کرنا ہر شخص کا حق ہے۔ ایثار یا ایسی بے غرضی کہ مالی مطالبہ بھی نہ کیا جائے یا بہت کم کیا جائے، یہ انفرادی ذوق اور رجحان کا معاملہ ہے۔ عام افراد عمومی رجحانات کے حامل ہوتے ہیں اور سماج کو یہ عمومی رجحانات ہی قائم رکھتے ہیں۔ ہر کوئی درویش صفت ہو جائے تو سماج تباہ ہو جائے۔ اس لیے کسی فرد کے ایثار یا بے غرضی کی انفرادی مثالوں سے کوئی اجتماعی نوعیت کا مطالبہ پیدا کرنا محض غیر حقیقی ہے۔ بے غرضی کا یہ مطالبہ ہر اس پیشہ ور سے کیا جا سکتا ہے جس کا پیشہ مقدس سمجھا جاتا ہے، جیسے طب، وکالت اور عدالت۔ جیسے ڈاکٹر، وکیل اور جج سے بے غرضی کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، اساتذہ سے بھی نہیں کرنا چاہیے۔ جو شخص اس قسم کی بے غرضی کا رجحان رکھتا ہے، وہی اسے نباہ سکتا ہے۔

تعلیمی اداروں کے یہ اخراجات ہر علاقے اور ہر طبقے کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ طبقات کا یہ فرق جیسے ریستورانوں، کپڑوں کے برینڈز وغیرہ میں ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح تعلیم کے مختلف معیارات میں اس کا ظاہر ہونا بھی بالکل فطری بات ہے۔

فیس کے مقابلے میں معیار کو یقینی بنانا اسکول کی پیشہ ورانہ ذمہ داری ہے اور والدین ان اداروں سے جواب دہی کا حق رکھتے ہیں۔

تعلیم کو کاروبار بنانے کی مخالفت کے پیچھے غالباً وہی مزاج کارفرما محسوس ہوتا ہے جو کسی بھی دوسری چیز پر

خرچ کرنا تو گوارا کر لیتا ہے، لیکن تعلیم پر خرچ کرنا اسے گراں گزرتا ہے۔ یہی وہ ملک ہے جہاں کھانوں اور کپڑوں کے برینڈز کی چینز (chains) کھل رہی ہیں، وہاں کتابوں کی دکانیں بند ہو رہی ہیں۔ آکسفورڈ جیسے ادارے کو بھی ملک میں اپنے متعدد آؤٹ لیٹس بند کرنا پڑے ہیں۔

اس تناظر میں یکساں تعلیم اور یکساں تعلیمی نصاب کی مانگ یا نفاذ بھی غیر ضروری، بلکہ مضر ہے۔ یکساں تعلیم اور یکساں نصاب سے وہ تنوع ختم ہو جاتا ہے جس سے مسابقت پیدا ہوتی اور اس کے نتیجے میں موازنہ اور تجربات ہوتے اور بہتری کے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

جب تک تعلیم کا معیاری سرکاری نظام قائم نہیں ہو جاتا، یہ فیصلہ لوگوں کے وسائل اور ذوق پر چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ بچوں کو کس قسم کی تعلیم دلانا چاہتے ہیں۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے معیاری تعلیم نہ دلا سکنا افسوس ناک ہے، مگر اس کا علاج سرکاری تعلیمی اداروں کے معیار کو بلند کرنے میں ہے، نہ کہ نجی تعلیمی اداروں کے معیار کو سرکاری اسکولوں کی سطح تک گرانے میں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عامر شیخ

سود

۲۸/ اپریل ۲۰۲۲ء کو وفاقی شرعی عدالت نے ۱۹۹۰ء سے جاری، سود سے متعلق مقدمے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلے میں عدالت نے سود پر مبنی بینکنگ سسٹم کو شریعت کے خلاف قرار دیا اور حکومت کو حکم دیا کہ وہ ۲۰۲۷ء تک موجودہ نظام کو سود سے پاک کرے۔ عدالت نے کہا کہ معاشی نظام کو سود سے پاک کرنا ایک مذہبی اور قانونی فریضہ ہے۔

اس فیصلے میں سود سے خاتمے کی ذمہ داری حکومت پر ڈال تو دی گئی ہے، لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جدید ریاست میں جہاں ریاستی اختیارات مختلف اداروں میں تقسیم کر دیے گئے ہیں، کیا حکومتی ڈھانچے کے پاس وہ اختیارات ہیں جو ۵ سال میں سود کا متبادل نظام پیش اور نافذ العمل کر سکیں یا ہماری پارلیمنٹ قانون سازی کر کے وہ اختیارات حکومت کو واپس دلا سکے، اور اگر پارلیمنٹ اور حکومت متبادل نظام پیش کر بھی دے تو کیا یہ معاشی اور بینکاری نظام عالمی معاشی نظام سے منسلک ہو سکے گا اور موثر طور پر کام کر سکے گا؟

اس معاملے پر تھوڑا سا غور و خوض کریں تو جواب نفی میں آئے گا اور ۲۰۲۷ء میں ہم اسی جگہ کھڑے ہوں گے جہاں آج کھڑے ہیں۔ صنعتی انقلاب کے بعد دو ہی معاشی نظام کار حکومت چلانے کے لیے سامنے آئے: سوشلزم اور کیپٹلزم۔ اس وقت بیش تر ممالک میں، ماسوائے روس اور بالخصوص ترقی یافتہ مغربی ممالک، جو عالمی معیشت میں اپنا اثر رکھتے ہیں، کیپٹلزم یا اس سے ملتا جلتا نظام رائج ہے۔ عوامی جمہوریہ چین جو آج سے ۲۰، ۲۵ سال پہلے تک سوشلسٹ نظام پر گامزن تھا، کیپٹلزم کی طرف مائل ہو کر ہی دنیا کی دوسری بڑی معاشی طاقت بن پایا ہے۔ پاکستان میں بھی اس وقت کیپٹلسٹ یا مخلوط نظام ہی رائج ہے۔ اس نظام حکومت میں معاشی

معاملات چلانے کے اختیارات حکومت اور مرکزی بینک (اسٹیٹ بینک) میں بٹے ہوئے ہیں، جن کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: فسکل معاملات اور مانیٹری معاملات۔

فسکل پالیسی بنانا اور نافذ کرنا حکومت کا اختیار ہے، اور وہ ہر سال یہ کام بجٹ پیش کر کے کرتی ہے، وہ یہ طے کرتی ہے کہ کس شعبے سے کتنا ٹیکس اکٹھا کرنا ہے اور اس سے حاصل ہونے والا پیسا کہاں خرچ کیا جائے گا، جب کہ مرکزی بینک مانیٹری پالسی کو نافذ کرتا ہے۔ اس مانیٹری پالیسی کے ذریعے سے شرح سود طے کرنے کا اختیار حکومت کو نہیں، بلکہ مرکزی بینک کو ہوتا ہے جو ایک خود مختار ادارہ ہے۔ مرکزی بینک معاشی پالیسی کے ذریعے سے شرح سود متعین کرتا ہے اور اس معاملے میں ذرا برابر بھی حکومتی دباؤ مرکزی بینک کے معاملات میں دخل اندازی سمجھا جاتا ہے، اس کی ساکھ مجروح ہوتی ہے اور بین الاقوامی اداروں کا اعتماد مرکزی بینک پر کم ہوتا ہے۔

مرکزی بینک ملک میں جاری افراط زر (مہنگائی) اور منی سپلائی کو سامنے رکھتے ہوئے شرح سود کا تعین کرتا ہے۔ مثلاً اگر افراط زر ۱۰ فی صد ہے تو بینک شرح سود کم از کم ۱۰ فی صد ضرور رکھے گا تاکہ اگر کوئی اپنی رقم کسی کو ایک سال کے لیے ادھار دے تو مدت پوری ہونے کے بعد واپس ملنے والی رقم مالیت کے اعتبار سے دی گئی رقم کے کم از کم برابر ہو۔ اگر بینک شرح سود افراط زر کے برابر یا اس سے کم رکھتا ہے تو اس کا مقصد منی سپلائی کو بڑھانا ہے۔ منی سپلائی بڑھانے سے لوگوں کی قوت خرید میں اضافہ ہوتا ہے، معاشی سرگرمیاں بڑھتی ہیں، کاروبار بڑھتا ہے، لوگوں کو روزگار کے مواقع میسر آتے ہیں، اور اگر منی سپلائی بڑھنے سے قوت خرید مصنوعی طور پر حد سے زیادہ بڑھ گئی ہو تو شرح سود بڑھا کے معاشی سرگرمی کو متوازن کیا جاتا ہے۔

سود اور شرح سود کے اس مکینزم کو سمجھنے کے بعد، اب یہ سمجھنا چاہیے کہ دین اسلام میں سود کی ممانعت کی کیا علت بیان ہوئی ہے؟ استاذ جاوید احمد غامدی اپنی کتاب ''میزان'' کے باب ''قانون معیشت'' میں بیان فرماتے ہیں: وہ تمام معاشی سرگرمیاں جس میں دوسروں کا مال باطل طریقے سے کھایا جاتا ہو، وہ ممنوع ہیں، جیسے چوری، ڈاکا، رشوت، وغیرہ وغیرہ، اسے شریعت میں اصطلاحاً ''اکل الاموال بالباطل'' کہا گیا ہے (۵۰۱)۔ قرآن کے مطابق سود بھی اصولی طور پر اسی ذیل میں شامل ہے۔

معین طور پر استاذ محترم سود کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں: سود وہ اضافہ ہے جو قرض دینے والا مقروض سے، اپنے سرمایے کو ایک خاص مدت تک استعمال کی اجازت کے عوض یا کرایے کے طور پر وصول کرتا ہے (میزان ۵۰۶)۔

اس کی تشریح بیان کرتے ہوئے استاذ فرماتے ہیں کہ سود ایک اخلاقی نجاست ہے، جس کی اصل علت یہ ہے کہ:

۱۔ قرض دینے والا، مقروض کے نفع و نقصان سے قطع نظر، ہر حال میں مقروض کے سر پر سوار رہتا ہے۔

۲۔ سرمایے کے طور پر دی جانے والی رقم اپنی حیثیت میں فنا ہو جاتی ہے اور مقروض کو اسے دوبارہ پیدا کر کے اس کے مالک کو لوٹانے کی مشقت میں مبتلا کرتا ہے (۵۰۵، ۵۰۹)۔

اب یہ دیکھنا ہو گا کہ جس وقت سود کی ممانعت ہوئی، اس وقت سود کا نظام کس طرح چل رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں یہ معاملات افراد کے مابین طے ہوتے تھے اور اس عمل کو کنٹرول کرنے کے لیے کوئی ایسا ادارہ یا قانون موجود نہ تھا جو ان معاملات کے نتیجے میں استحصالی طبقے، یعنی مقروض کا مفاد محفوظ رکھ سکے۔ سرمایے کی لین دین بہ عوض سود افراد کے مابین ہوتی تھی، سرمایہ دار، سرمایہ پر سود اپنی مرضی سے طے کرتے تھے، سرمایے کے ضرورت مند، افراد کی ضرورت کا استحصال کرتے تھے اور اس عمل کو کنٹرول کرنے کے لیے کوئی قانون یا حکومتی ڈھانچا موجود نہ تھا، یعنی ریاست کے پاس بظاہر کوئی ایسی طاقت موجود نہ تھی کہ وہ اس عمل کے نتیجے میں ہونے والے استحصال کو روک سکے اور اور سرمایہ دار پر کوئی ایسی قدغن لگا سکے۔ لہٰذا سود کی ممانعت ہوئی۔

یہ سرمایہ ذاتی ضروریات کے لیے بھی دیا جاتا تھا اور کاروباری ضروریات کے لیے بھی۔ ذاتی ضروریات کے لیے دیے گئے سرمایے پر ضرورت مند سے سود طلب کرنا یقیناً ایک اخلاقی جرم ہے۔ ہمارے نزدیک تو ضرورت مند سے اصل رقم طلب کرنا بھی زیادتی ہے، اگر وہ رقم لوٹانے کی پوزیشن میں نہ ہو، بلکہ یہ ریاست اور صاحب ثروت لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ضرورت مند لوگوں کی ذاتی ضروریات کے لیے سرمایہ فراہم کریں۔

کاروباری مقاصد کے لیے دیے گئے قرض اور اس سے ہونے والے استحصال کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اس زمانے سے لے کر اب تک کاروباری دنیا میں بے پناہ بنیادی تبدیلیاں آ چکی ہیں، معاملات افراد سے نکل کر اداروں کے ہاتھ میں آ چکے ہیں، جن کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔

۱۔ لمیٹڈ لائیبلیٹی کمپنی کا قیام: گذشتہ زمانے میں لوگ کاروبار اپنی ذاتی حیثیت میں کرتے تھے، لہٰذا اگر کسی شخص نے کاروباری ضرورت کے لیے قرضہ لیا اور کاروبار میں خسارے کے باعث قرض واپس نہیں کر پاتا تو سرمایہ دار اس کے کاروباری اثاثہ جات کے ساتھ ساتھ اس کے ذاتی اثاثہ جات بھی ضبط کر لیتا تھا، جب کہ موجودہ

دور میں زیادہ تر کاروبار ذاتی حیثیت میں نہیں، بلکہ کمپنی بنا کر کیا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ کمپنی کے مالک اس کے حصہ دار ہوتے ہیں اور حصہ داروں کے ذاتی اثاثہ جات، بلکہ دوسرے کاروباری اثاثہ جات بھی اس کمپنی سے بالکل الگ ہوتے ہیں۔ اور اگر کمپنی نے کوئی ادھار لیا اور خسارے کے باعث رقم واپس نہیں کر سکتی تو سرمایہ دار صرف مقروض کمپنی کے اثاثہ جات ضبط کر سکتا ہے، حصہ داروں کے ذاتی اثاثہ جات اور دوسرے کاروبار کے اثاثہ جات بالکل الگ اور محفوظ رہتے ہیں۔

۲۔ آج کل سرمایے کا لین دین افراد کے درمیان نہیں ہوتا، بلکہ کمرشل بینک لوگوں کی سیونگز اپنے پاس جمع کرتے ہیں اور اس جمع کیے ہوئے فنڈز میں سے ضرورت مند کمپنی کو سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ یہ کمرشل بینک، مرکزی بینک کو جواب دہ ہوتے ہیں۔

۳۔ مرکزی بینک ان تمام سرگرمیوں کو مختلف قوانین کے ذریعے سے کنٹرول کرتا رہتا ہے، جب کہ کمپنی کو کنٹرول کرنے کے لیے سیکیورٹیز اینڈ کمپنیز ایکسچینج کا ادارہ موجود ہے۔

۴۔ ان دو اداروں کے علاوہ بینکنگ کورٹس موجود ہیں، جو نزاعات کی صورت میں معاملات حل کرتے ہیں تاکہ سرمایہ دار اور کاروباری کمپنی کا استحصال نہ ہو۔

اس بحث سے مقصود یہ ہے کہ سود سے متعلق فیصلہ کرنے یا اس کا متبادل تلاش کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ گذشتہ زمانے میں رائج سود میں اور آج کے دور میں رائج سود میں، اور معاشی نظام میں اس کے اثرات میں بہت فرق آ چکا ہے اور مختلف ادارے اس معاملے کو ریگولیٹ کرنے کے لیے وجود پذیر ہو چکے ہیں۔ شرح سود کا تعین، سرمایہ دار نہیں کرتا، بلکہ مرکزی بینک کرتا ہے، مقروض کا استحصال روکنے کے لیے قوانین موجود ہیں۔ ان تمام عوامل کی روشنی میں اب ہم دیکھتے ہیں کہ سود کی جو علت استاذ گرامی نے بیان کی ہے، کیا وہ اب بھی موجود ہے؟ اوپر بیان کی گئی علت ہم دوبارہ نقل کر دیتے ہیں:

۱۔ قرض دینے والا، مقروض کے نفع و نقصان سے قطع نظر، ہر حال میں مقروض کے سر پر سوار رہتا ہے۔

۲۔ سرمایے کے طور پر دی جانے والی رقم اپنی حیثیت میں فنا ہو جاتی ہے اور مقروض کو اسے دوبارہ پیدا کر کے اس کے مالک کو لوٹانے کی مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔

موجودہ دور میں کاروباری مقصد کے لیے حاصل کیے گئے قرض کے یہ مصارف ہیں:

۱۔ ایسے اثاثہ جات (مشینیں) خریدے جاتے ہیں جو اشیا پیدا کرتے ہیں، جن کو بیچ کر منافع کمایا جاتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲۔ایسے اثاثہ جات جو پیداواری عمل میں معاونت کرتے ہیں، جیسے فرنیچر، کمپیوٹرز وغیرہ۔

۳۔ تجارتی مال خریدا جاتا ہے، جسے بعد میں منافع پر بیچا جاتا ہے۔

ہم یہاں یہ بات طے کر لیتے ہیں کہ کنزیوم ہو جانے والی اشیا پر سود طلب نہیں کیا جائے گا یا ان کے لیے قرض دیا ہی نہیں جائے گا۔ مزید برآں یہ کہ انشورنس کمپنیوں کے ذریعے سے، پریمیم کے عوض، اثاثہ جات کا بیمہ کرالیا جاتا ہے، جس سے اصل سرمایہ محفوظ ہو جاتا ہے اور سرمایہ فنا ہو جانے اور دوبارہ پیدا کرنے کی مشقت کرنے کا خطرہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا اوپر بیان کی گئی دوسری علت ختم ہو گئی۔

اب دیکھتے ہیں، پہلی علت کو، کہ سرمایہ دار مقروض کے نفع و نقصان سے قطع نظر، ہر حال میں مقروض کے سر پر سوار رہتا ہے۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ لمیٹڈ لائیبلیٹی کمپنی کو قرض دینے کی صورت میں مقروض کمپنی اس وقت تک تو سود دینے کی پابند ہے، جب تک اسے منافع کمانے کی قوی امید ہے، لیکن اگر مقروض کمپنی ایک خاص وقت گزرنے کے بعد یہ محسوس کرتی ہے کہ وہ منافع نہیں کما سکتی تو وہ اپنے آپ کو دیوالیہ قرار دے سکتی ہے، ایسا کرنے کی صورت میں سرمایہ دار سود تو کیا اپنا اصل سرمایہ بھی اس حد تک واپس لینے کا مجاز ہے جس حد تک کمپنی کے اثاثہ جات بچے ہیں۔ یہ بات یاد رہے کہ موجودہ قوانین کے تحت کمپنی کے مالک کے ذاتی اثاثہ جات یا اس کی دوسری کمپنیوں کے اثاثہ جات مقروض کمپنی کے اثاثہ جات سے بالکل الگ ہیں اور مقروض کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں سرمایہ دار کا ان اثاثہ جات پر کوئی حق نہیں۔ لہٰذا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ کاروباری اور معاشی ڈھانچے میں یہ علت بھی ختم ہو گئی ہے۔

استاذ محترم نے سود کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''سود وہ اضافہ ہے جو قرض دینے والا مقروض سے، اپنے سرمایے کو ایک خاص مدت تک استعمال کی اجازت کے عوض یا کرایے کے طور پر وصول کرتا ہے''۔ معاشیات کی کلاسیکی کتابوں میں تو سود کی یہی تعریف بیان ہوئی ہے، لیکن موجودہ دور میں فنانس کی کتابوں میں، بالخصوص اطلاقی لٹریچر میں سود کو سرمایہ کا معاوضہ بیان نہیں کیا جاتا، بلکہ یہ اس خطرے کا معاوضہ ہے جو سرمایہ دار کو موجودہ قوانین کی وجہ سے لاحق ہے اور عملی طور پر سود کی شرح بھی اس خطرے کو دیکھتے ہوئے طے کی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح، جس طرح کاروباری منافع، بزنس مین کی محنت کا نہیں، بلکہ اس خطرے کا معاوضہ ہے جو وہ مول لیتا ہے۔

سود کے مضمرات بیان کرتے ہوئے استاذ گرامی نے جو مولانا اصلاحی کی تحریر نقل کی ہے، جس میں مولانا

کے نزدیک سرمایہ دار کاروبار میں منافع نہ ہونے کے خطرے سے بالکل محفوظ ہے، ہمارے نزدیک موجودہ قوانین کی موجودگی میں بزنس مین کے استحصال کا خطرہ کم ہو گیا ہے، دوسرے الفاظ میں اس خطرے کا کچھ حصہ سرمایہ دار نے مول لے لیا ہے اور اس کے صلے میں وہ منافع میں سے کچھ حصہ طلب کر رہا ہے، لہٰذا اس پر سود کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے۔

زکوٰۃ

''نماز کے بعد یہ دوسری اہم ترین عبادت ہے۔ اپنے معبودوں کے لیے پرستش کے جو آداب انسان نے بالعموم اختیار کیے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مال، مواشی اور پیداوار میں سے ایک حصہ اُن کے حضور میں نذر کے طور پر پیش کیا جائے۔ اِسے صدقہ، نیاز، نذرانے اور بھینٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کے دین میں زکوٰۃ کی حیثیت اصلاً یہی ہے اور اِسی بنا پر اِسے عبادت قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن نے کئی جگہ اِس کے لیے لفظ 'صدقہ' استعمال کیا ہے اور وضاحت فرمائی ہے کہ اِسے دل کی خستگی اور فروتنی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اِس کے بارے میں عام روایت یہ رہی ہے کہ نذر گزارنے کے بعد اِسے معبد سے اٹھا کر اُس کے خدام کو دیا جاتا تھا کہ وہ اِس سے عبادت کے لیے آنے والوں کی خدمت کریں۔ اب یہ طریقہ باقی نہیں رہا۔ اِس کی جگہ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ نظم اجتماعی کی ضرورتوں کے لیے یہ مال ارباب حل و عقد کے سپرد کر دیا جائے۔ تاہم اِس کی حقیقت میں اِس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ خدا ہی کے لیے خاص ہے اور اُس کے بندے جب اِسے ادا کرتے ہیں تو اِس کی پذیرائی کا فیصلہ بھی اُسی بارگاہ سے ہوتا ہے۔'' (الاسلام ۹۸)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

مہاجرین حبشہ

(۱۸)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ

نام و نسب

حضرت شماس (عثمان) بن عثمان ۵۹۲ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنو مخزوم سے تھا، بانی قبیلہ مخزوم بن یقظہ ان کے پانچویں جد تھے۔ دادا کا نام شرید بن سوید تھا۔ حضرت شماس کے سکڑ دادا ہرمی بن عامر مکہ میں لوگوں کو شہد پلایا کرتے تھے، اس نسبت سے انھیں 'ابن ساقي العسل' کہا جاتا ہے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت ربیعہ بھی بنو مخزوم سے تھیں۔ مکہ کے مشہور سردار ربیعہ بن عبد شمس ان کے نانا اور عبد مناف بن قصی سکڑ نانا تھے۔ متمردین قریش عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ ان کے ماموں تھے۔ حضرت شماس کی کنیت ابو المقدام تھی۔

خد و خال

حضرت شماس نہایت خوب صورت تھے، ان کا اصلی نام عثمان تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک مرتبہ ایک شماس مکہ آیا، جو نہایت حسین و جمیل تھا۔ 'شماس' سریانی میں خادم کلیسا (deacon) کو کہتے ہیں، قسیس (priest)

اس سے ایک مرتبہ اوپر، اسقف (bishop) دو مرتبے، مطران (archbishop) تین مرتبے اور بطرک (patriarch) چار مرتبے اوپر ہوتا ہے۔ مکہ کے لوگوں نے اسے دیکھا تو اس کی خوب صورتی پہ عش عش کر اٹھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے کہا: ٹھیرو، میں تمھیں اس سے بھی زیادہ خوب صورت نوجوان دکھاتا ہوں۔ وہ اپنی بہن صفیہ کے گھر گیا اور اپنے بھانجے کو لے آیا۔ لوگوں نے دیکھا تو کہا: واقعی یہ نوجوان اس عیسائی شماس سے کہیں زیادہ خوب رو اور حسین و جمیل ہے۔ چنانچہ مکہ کے لوگ اس دن سے اصل نام عثمان مخزومی بھول گئے اور انھیں شماس بن عثمان مخزومی کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ ابن سعد کہتے ہیں: چہرے کی تابانی کی وجہ سے ان کو شماس کا لقب ملا، اہل لغت اس معنی کی تائید نہیں کرتے۔

قبول اسلام

مکہ کے خوب صورت نوجوان شماس ظاہری حسن کے ساتھ سلیم الطبع بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو نور ایمان سے منور ہونے والے ابتدائی اصحاب میں حضرت شماس بھی شامل تھے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت ربیعہ نے بھی دعوت توحید کو جلد قبول کر لیا۔ حضرت شماس کے ماموں عتبہ اور شیبہ دنیاوی امور میں سمجھ دار تھے، مگر شقاوت قلبی کی وجہ سے قبول ہدایت سے محروم رہے۔

ہجرت حبشہ

ابتدائی دور میں مسلمان مغلوب تھے، نو واردان اسلام کو خوب ستایا گیا، حتیٰ کہ وہ اپنی جان اور دین و ایمان بچانے کے لیے مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر حضرت شماس بھی اپنی اہلیہ حضرت ام حبیب بنت سعید کے ہم راہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے دوسرے قافلے میں شامل ہو گئے۔ تراسی اصحاب اور اٹھارہ صحابیات پر مشتمل یہ قافلہ حضرت جعفر بن ابوطالب کی قیادت میں حبشہ گیا۔ ان کے ہم قبیلہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہ رجب ۵/ نبوی میں پہلے قافلۂ ہجرت کے ساتھ حبشہ روانہ ہو چکے تھے، جب کہ بنو مخزوم کے حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ابو ربیعہ، حضرت ہبار بن سفیان، حضرت عبداللہ بن سفیان اور بنو مخزوم کے حلیف حضرت معتب بن عوف ہجرت ثانیہ (شوال ۵/ نبوی) میں ان کے ہم سفر تھے۔

حبشہ سے واپسی

سوانح نگاروں کا اتفاق ہے کہ حضرت شماس بن عثمان ہجرت ثانیہ میں حبشہ گئے، لیکن یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ وہ ان تینتیس اصحاب میں شامل تھے جو مشرکین کے قبول اسلام کی جھوٹی خبر سن کر مکہ واپس آ گئے۔ ہجرت ثانیہ تو اس کے بعد ہوئی، جب اہل مکہ نے مکہ رجوع کرنے والے صحابہ کو پھر سے ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ممکن ہے کہ حضرت شماس ہجرت ثانیہ کرنے کے کچھ ماہ بعد مکہ لوٹ آئے ہوں اور انھیں اس فہرست میں شمار کر لیا گیا ہو جو ابن ہشام نے ابن اسحٰق کے توسط سے بیان کی ہے۔ کل تینتیس صحابہ اور آٹھ صحابیات نے مکہ میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ ان میں سے دو نے مکہ میں وفات پائی، سات کو مشرکین نے قید کر لیا اور چوبیس کو ہجرت مدینہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

سوے مدینہ

اہل مکہ کی اسلام سے بڑھتی ہوئی نفرت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال ۱۰/ نبوی (۶۱۹ء) میں طائف کا سفر کیا۔ وہاں کے کسی سر کردہ سردار نے آپ کی نصرت کرنے کی ہامی نہیں بھری، بلکہ الٹا شہر کے اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ اگلے تین برس آپ ایام حج میں مکہ آنے والے قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ آپ کی کاوشوں سے بیعت عقبۂ اولیٰ میں بارہ اور ثانیہ میں پچھتر انصار نے آپ کے دست مبارک پر بیعت نصرت کر لی۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا: اللہ نے تمھارے بھائی بند بنا دیے ہیں اور ایسا شہر دے دیا ہے جہاں تم اطمینان سے رہ سکتے ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور پھر حضرت عمرو بن ام مکتوم شہر ہجرت پہنچے، ان کے بعد حضرت بلال، حضرت سعد اور حضرت عمار بن یاسر نے شرف ہجرت حاصل کیا۔ پھر حضرت عمر بیس صحابہ کے جلو میں وارد ہوئے (بخاری، رقم ۳۹۲۵۔ احمد، رقم ۱۸۵۶۸۔ مستدرک حاکم، رقم ۴۲۵۴)۔

حضرت شماس بن عثمان بھی مدینہ کی طرف اپنے دوسرے سفر ہجرت پر روانہ ہوئے۔ ان کا قیام بنو عمرو بن عوف کے حضرت مبشر بن عبد المنذر کے ہاں ہوا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار میں مواخات قائم فرمائی تو حضرت حنظلہ بن ابو عامر الراہب کو ان کا انصاری بھائی قرار دیا۔

حضرت شماس اپنے آخری وقت تک حضرت مبشر کے ہاں مقیم رہے۔

غزوۂ بدر

حضرت شماس غزوۂ بدر میں جاں بازی سے لڑے۔ ان کا ماموں عتبہ بن ربیعہ مشرکین کی طرف سے لڑتا ہوا واصل جہنم ہوا۔

غزوۂ احد

۷/ شوال ۳ھ (۲۳ مارچ ۶۲۵ء): غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شان دار فتح کے بعد قریش مکہ اور یہود کو اندازہ ہو گیا کہ مسلمان اب معمولی قوت نہیں رہے۔ چنانچہ مکہ کے دار الندوہ میں عبداللہ بن ابو ربیعہ، عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور ابوسفیان جمع ہوئے اور اپنے آبا کی ہلاکت کا بدلہ لینے کے لیے اور بند ہو جانے والے تجارتی راستوں کو کھلوانے کے لیے ریاست مدینہ سے جنگ کرنے پر مشاورت کی۔ یہودی کعب الاشرف اور مدینہ کے منافقین نے بھی شکست خوردگان کی آتش انتقام کو بھڑکایا۔ قریش کے نئے سردار ابوسفیان نے جنگ بدر کا باعث بننے والے اپنے تجارتی قافلے کا تمام منافع نئی جنگ کی تیاریوں کے لیے وقف کر دیا۔ تین ہزار سے زائد سپاہی آمادہ بہ جنگ ہوئے، جن میں سے سات سو زرہ پوش تھے، دو سو گھوڑے اور تین سو اونٹ بھی مہیا کیے گئے۔ اشعار پڑھ کر مشرکین کو جوش دلانے کے لیے پندرہ عورتیں ساتھ چلیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں موجود آپ کے چچا عباس نے مشرکین کی تیاریوں سے آگاہ کیا۔

بدھ ۵/ شوال کو مشرک فوج احد کے قریب عریض کے مقام پر پہنچی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رہ کر دفاع کرنا چاہتے تھے، اکابر مہاجرین وانصار کا بھی یہی مشورہ تھا، لیکن جوشیلے نوجوان شہر سے باہر لڑنا چاہتے تھے۔ حضرت حمزہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ نماز جمعہ کے بعد آپ زرہ پہن کر جانے کے لیے تیار ہوئے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو غلطی کا احساس ہوا، لیکن آپ نے فرمایا: نبی اسلحہ پہن لیں تو قتال کیے بغیر نہیں اتارتے۔ آخر کار، آپ کل ایک ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے نکلے، جس میں محض دو گھڑ سوار تھے اور صرف سو مسلمانوں کے پاس زرہیں تھیں۔ راستے میں پڑنے والے شوط نامی ایک باغ پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی یہ کہہ کر کہ ہمارا مدینہ میں رہ کر لڑنے کا مشورہ نہیں مانا گیا، اپنے تین سو منافق ساتھیوں کو لے کر واپس ہو گیا۔ اس موقع پر اوس کی شاخ بنو حارثہ اور خزرج کے گوت بنو سلمہ کے قدم بھی لڑکھڑانے کو تھے کہ اللہ کی طرف سے ان کے دلوں کو سہارا دیا گیا:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا. (آل عمران ۳: ۱۲۲)

”یاد کرو جب تم اہل ایمان کے دو قبائل حوصلہ ہارنے کو تھے، حالاں کہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

احد کے دامن میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ احد کی طرف پشت کر کے صف آرا ہوئے اور حضرت عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں ایک تیر انداز دستہ احد کے بائیں جانب کوہ عینین پر تعینات کر کے تاکید فرمائی کہ کسی صورت میں اپنا مورچہ نہ چھوڑنا(بخاری، رقم ۴۰۴۳)۔

فتح و شکست

جنگ کا آغاز مشرکین کی طرف سے ہوا، جب طلحہ بن ابی طلحہ نے نمودار ہو کر دعوت مبارزت دی، حضرت زبیر بن عوام (حضرت علی: ابن سعد) نکلے، اسے اپنی گرفت میں لے کر تلوار سے ذبح کر دیا۔ اس ابتدائی کامیابی سے مسرور ہو کر مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ لگایا اور مشرکین پر ٹوٹ پڑے۔ یکے بعد دیگرے مشرکین کے بارہ (یا نو) علم بردار، حضرت حمزہ، حضرت سعد، حضرت مسافع، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ جنگ کا بازار گرم ہوا تو حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت ابودجانہ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور خوب قتال کیا۔ حضرت ابودجانہ انصاری کی تلوار کی زد میں جو بھی آیا، مارا گیا، سوائے ہند بن عتبہ کے، جب اس کا سر سامنے آیا تو انھوں نے عورت ہونے کی وجہ سے تلوار کھینچ لی۔ مکہ کے سردار جبیر بن مطعم نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو قتل کرنے کی صورت میں اپنے حبشی غلام وحشی بن حرب سے آزادی کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور تاک کر لڑائی میں منہمک حضرت حمزہ کو بھالا مارا جو ان کے پیڑو سے گزرتا ہوا پشت سے نکل گیا اور جان لیوا ثابت ہوا۔ دوپہر کے وقت مشرک پسپا ہو کر فرار ہوئے تو مسلمان سمجھے کہ وہ جنگ جیت گئے ہیں۔ درۂ عینین پر متعین اصحاب نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت فراموش کر دی اور درہ چھوڑ کر میدان میں اتر کر مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ صرف دس افراد درہ پر موجود تھے کہ مشرکوں کی فوج میں شامل خالد بن ولید ایک میل کا چکر کاٹ کر پہاڑ کے پیچھے پہنچ گئے۔ ان اصحاب کو شہید کیا اور پہاڑ سے اتر کر جیش اسلامی پر پشت سے حملہ کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کے دستے کو آتے دیکھا تو صحابہ کو بلند آواز سے پکارا، لیکن وہ خالد کے اچانک حملے سے بکھر چکے تھے۔ کئی جام شہادت نوش کر چکے تھے اور بے شمار زخمی ہو چکے تھے۔ موقع پا کر مشرکین آپ کی طرف لپکے اور آپ کے شبہ میں حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کی افواہ پھیلی تو کچھ صحابہ نے ہمت ہار دی اور میدان جنگ سے فرار ہو گئے، کچھ قریبی پہاڑی جلعب پر چڑھ گئے۔ حضرت انس یہ کہہ کر کہ حضور کے بعد کیا جینا، اٹھے اور مشرکوں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سے بھڑ کر شہید ہو گئے۔ کچھ اصحاب آپ کے ساتھ رہے اور آپ کی بھرپور حفاظت کی۔

دفاع رسول

جنگ کی ابتدا میں مسلمان پسپا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے علاوہ کوئی نہ رہا (بخاری، رقم ۳۷۲۲۔ مسلم، رقم ۶۳۲۱)۔ ایک مرحلے میں سات انصاری اور دو مہاجر صحابہ نے آپ کو حصار میں لے رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا: جو ان مشرکوں سے ہمارا دفاع کرے گا، جنت میں میرا رفیق بنے گا۔ ایک انصاری آگے بڑھ کر لڑا اور شہید ہو گیا۔ کفار اور بڑھے تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا۔ دوسرا انصاری بڑھا اور شہادت پائی۔ باری باری ساتوں انصاریوں نے جام شہادت نوش کیا (مسلم، رقم ۴۶۶۴۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۷۹۱۸)۔ حضرت زیاد بن سکن (یا حضرت عمارہ بن زیاد) آخری انصاری تھے جنھوں نے آپ کے قدموں میں جان دی (التاریخ الکبیر، بخاری، رقم ۳۱۴۶۔ دلائل النبوۃ، بیہقی، رقم ۳/۲۳۴)۔ اس اثنا میں عتبہ بن ابی وقاص نے گوپھن سے پتھر مار کر آپ کا سامنے کا نچلا دانت شہید کر دیا، آپ کا ہونٹ بھی پھٹ گیا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کے سامنے کے دو دانت شہید ہوئے۔ عبداللہ بن شہاب زہری نے پیشانی مبارک پر ضرب لگائی۔ عبداللہ بن قمیئہ (قمئہ) حارثی نے آپ کے کندھے پر زور سے تلوار ماری، زرہ کی وجہ سے زخم نہ آیا، پھر اس نے آپ کے ناک اور رخسار کو شدید زخمی کر دیا۔ مالک بن زہیر نے آپ کو تیر کا نشانہ بنایا تو حضرت طلحہ نے اپنا ہاتھ آگے کر کے آپ کے چہرۂ مبارک کو بچایا (مستدرک حاکم، رقم ۵۵۸۶)۔ تیر لگنے سے حضرت طلحہ کی چھنگلیا اور انگشت شہادت مفلوج ہو گئیں (بخاری، رقم ۴۰۶۳۔ ابن ماجہ، رقم ۱۲۸)۔ ایک تیر آپ کے خود پر لگا اور اس کی جھلم کے کڑے رخسار مبارک میں دھنس گئے، جو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے اپنے دانتوں سے نکالے۔ اس کوشش میں ان کے اپنے دانت ٹوٹ گئے (مستدرک حاکم، رقم ۵۱۶۰)۔ آخر میں آپ ان گڑھوں میں سے ایک میں گر گئے جو ایک بدبخت مشرک ابو عامر نے میدان جنگ میں حریف مسلمانوں کے لیے کھود رکھے تھے۔ حضرت علی نے آپ کا ہاتھ تھاما اور حضرت طلحہ نے کھینچ کر باہر نکالا۔ حضرت مالک بن سنان نے آپ کے چہرۂ مبارک سے خون چوس کر نگل لیا۔

سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک پر افواہ کا جھوٹ کھلا۔ انھوں نے خود کے اندر سے آپ کی آنکھوں کو پہچانا تو آوازیں دینے لگے: اہل اسلام، خوش خبری ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ موجود ہیں۔ آپ بھی بلند آواز سے پکارے: اللہ کے بندو، میری طرف آؤ، اللہ کے بندو، میری طرف آؤ۔ حضرت طلحہ آپ کی طرف لپکنے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

والوں میں آگے آگے تھے، حضرت ابو بکر، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت زبیر، حضرت حارث بن صمہ، کل تیس صحابہ آپ کی طرف بھاگے۔ صحابہ جمع ہوئے تو آپ حضرت طلحہ کی پشت پر پاؤں رکھ کر ایک چٹان پر چڑھ گئے اور فرمایا: اپنے ساتھی طلحہ کو سنبھالو، ان کا خون بہ رہا ہے۔ طلحہ پر جنت واجب ہو چکی (ترمذی، رقم ۱۶۹۲۔ مستدرک حاکم، رقم ۵۶۰۲)۔ کچھ وقفے کے بعد دیگر اصحاب رسول بھی میدان میں واپس آنا شروع ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹان پر تشریف فرما تھے کہ ابوسفیان اور خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکین نے آخری حملہ کیا۔ وہ چٹان پر چڑھنے کو تھے کہ حضرت عمر اور کچھ مہاجرین نے ان کا حملہ روکا، حضرت سعد نے تیر اندازی کر کے تین کافروں کو جہنم رسید کیا۔ تاہم اہل مکہ نے یہ یقین کر کے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں، واپسی کی راہ پکڑی۔ اس اثنا میں ابوسفیان کی بیوی ہند اور کچھ مشرکین نے مسلمان شہداء کے ناک اور کان کاٹے۔ ہند نے اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ کا انتقام لینے کے لیے حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر چبایا اور پھر اگل دیا۔

حضرت شماس کی جان نثاری

احد کے میدان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے حضرت شماس نے جس شجاعت اور جان نثاری کا مظاہرہ کیا، اس کا بیان سیر صحابہ کے مرتبین ابن عبد البر، ابن اثیر اور ابن حجر کے علاوہ ابن سعد نے کیا ہے۔ ابن جوزی نے حضرت شماس کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے ''طبقات'' کی عبارت نقل کی۔ ابن ہشام اور ابن کثیر نے حضرت شماس کو شہداے احد میں شمار کیا، لیکن اپنے پیارے رسول کی زندگی بچاتے ہوئے اپنی جان نچھاور کرنے کی تفصیل نہیں بتائی۔ طبری نے ان کی شہادت کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ ابن ہشام اور ابن کثیر نے محض ان کے مرثیہ میں کہے گئے اشعار نقل کیے۔ معلوم نہیں، حضرت شماس بن عثمان کا اہم رول ان مؤرخین کی نظر سے اوجھل کیوں رہا۔

غزوۂ احد کے وقت حضرت شماس چونتیس برس کے بھرپور نوجوان تھے، انھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت تھی۔ اس جنگ میں وہ آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ احد کے میدان میں جب بھگدڑ مچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے والے صحابہ میں حضرت شماس بن عثمان بھی شامل تھے، انھوں نے دھیان آپ ہی کی طرف رکھا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے احد کے دن شماس کو اپنے لیے ایک ڈھال کی طرح دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں بائیں، جس طرف رُخ مبارک پھیرتے،

حضرت شماس کو اپنے سامنے پاتے۔ انھوں نے تلوار سے، پھر اپنے جسم سے آپ کا پروانہ وار دفاع کیا، نہایت چاق و چوبندی سے، بھاگ بھاگ کر دشمن کا مقابلہ کیا، جب دشمن بھاگ جاتا تو وہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کھڑے ہو جاتے۔ بلاشبہ، یہ نہایت مشکل وقت تھا۔ ابی بن خلف نے حضرت شماس پر کاری زخم لگائے۔ زخموں سے نڈھال ہو کر وہ زمین پر گر گئے اور خون کثرت سے بہنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ بہت سارے دیگر شہدا کی طرح ان کو بھی شہید سمجھ لیا گیا۔ شام کے وقت دشمن نے اپنی جنگ ادھوری چھوڑ کر مکہ کی راہ لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ نے دیکھا کہ حضرت شماس بے ہوش ہیں، لیکن ان کی سانس چل رہی ہے۔ آپ کے حکم پر انھیں فوری طور پر مدینہ میں ام المومنین حضرت عائشہ کے گھر منتقل کیا گیا۔ تب حضرت شماس کی چچازاد بہن حضرت ام سلمہ، جو اُس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں نہ آئی تھیں، حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور کہا: شماس میرے چچازاد ہیں، میں انھیں اپنے گھر لے جانے کے لیے آئی ہوں۔ حضرت ام سلمہ نے علاج معالجہ اور تیمارداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ حضرت شماس مسلسل بے ہوش رہے، کچھ کھایا نہ پیا۔ ایک دن اور رات گزارنے کے بعد انھوں نے جام شہادت نوش کیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ واقدی کا کہنا ہے کہ شہداے احد میں وہ اکیلے تھے، جنھیں بقیع الغرقد کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ شماس کی میت کو احد کے میدان میں لے جایا جائے، چنانچہ ان کو اسی خونی پیراہن میں نماز جنازہ پڑھائے بغیر احد کے گورستان شہیداں میں دفن کر دیا گیا (ابن سعد، ابن عبدالبر، ابن اثیر)۔

جنگ احد کے مقتولین

جنگ احد میں سینتیس مشرک مارے گئے۔ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق بائیس مشرکین جہنم رسید ہوئے، ان میں سے بارہ کو حضرت علی نے انجام تک پہنچایا۔ اسلامی فوج کو زیادہ نقصانات اٹھانا پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہوا، آپ کے دندان شہید ہوئے۔ ستر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا، جن میں حضرت حمزہ اور حضرت شماس شامل تھے۔ حضرت حمزہ کا مثلہ کیا گیا۔

شہداے احد کی نماز جنازہ

ایک روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات تکبیریں کہہ کر سب سے پہلے حضرت حمزہ کی، پھر

باقی شہدا کی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ ہر بار حضرت حمزہ کی میت ساتھ رکھ لیتے (مستدرک حاکم، رقم ۲۵۵۷)۔ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک کی روایات کے مطابق آپ نے شہدا کو غسل دیا نہ نماز جنازہ ادا کی (ابوداؤد، رقم ۳۱۳۵۔ ترمذی، رقم ۱۰۳۶۔ نسائی، رقم ۱۹۵۷۔ احمد، رقم ۱۴۱۸۹۔ مستدرک حاکم، رقم ۱۳۵۲)۔ تیسری روایت ہے کہ صرف حضرت حمزہ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، دوسرے شہدا کا جنازہ نہ پڑھا گیا (ابوداؤد، رقم ۳۱۳۷)۔ چوتھی روایت حضرت عقبہ بن عامر کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے آٹھ سال بعد شہداے احد کی نمازہ جنازہ پڑھی (بخاری، رقم ۴۰۴۲)۔ شوافع کا مسلک ہے کہ شہید کا غسل ہوتا ہے، نہ جنازہ۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں: ان روایات کو جن میں شہداے احد کا جنازہ ادا کرنے کا ذکر ہے، ترجیح دی جائے گی، چاہے ضعیف ہوں، اس لیے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔

احد کی ہزیمت سے ملنے والے سبق

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

صحابۂ کرام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت تھی کہ آپ کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔

ابن قیم کہتے ہیں: غزوۂ احد کی سرگذشت میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کر کے مسلمان کبھی اپنے دشمن پر فتح نہیں پا سکتے۔

پیغمبروں کی سنت ہے کہ پہلے وہ ابتلا میں ڈالے جاتے ہیں اور انجام کار کامیابی انھی کو ملتی ہے۔ اگر ہمیشہ کامیابی حاصل ہوتی تو اہل ایمان کی صفوں میں ایمان سے محروم بھی گھس آتے اور صادق وکاذب میں تمیز نہ ہو سکتی۔ اگر ہمیشہ شکست سے دوچار ہوتے تو ان کی بعثت کا مقصد پورا نہ ہو سکتا۔ غزوۂ احد میں منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا، چنانچہ مسلمان ان سے نمٹنے کے لیے مستعد اور محتاط ہو گئے۔ جب اہل ایمان ابتلا سے دوچار ہوئے تو انھوں نے صبر سے کام لیا، البتہ منافقین میں آہ وزاری شروع ہو گئی۔

ابتلا و آزمایش سے گزرنے کے بعد اہل ایمان کو جنت کے اعلیٰ درجات تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔

اہل ایمان نے اللہ کی راہ میں جان دے کر شہادت کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لیا۔

شہداے احد کو سلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال احد کے میدان میں شہدا کی قبروں پر تشریف لاتے اور ان کو سلام فرماتے: 'السلام علیکم بما صبرتم، فنعم عقبی الدار' (تمھارے صبر کرنے کے انعام

میں تم پر سلامتی ہو، کیا ہی خوب ہے دار آخرت کا صلہ)۔ خلفاے راشدین میں سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان کا یہی معمول رہا۔ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ اور دوسرے صحابہ بھی شہدا کی قبروں پر حاضری دیتے رہے (دلائل النبوۃ ۳/۳۰۶-۳۰۹)۔ زائرین مدینہ اب بھی شہداے احد کو سلام کرنے ضرور آتے ہیں۔

حضرت شماس کا مرثیہ

حضرت شماس کی اہلیہ حضرت نُعم بنت حسان (یا حضرت ام حبیب بنت سعید) نے یہ اشعار کہے:

أقول لما اتى الناعي له جزعًا
اودى الجواد و اودى المطعم الكاسى

''شماس کی شہادت کی خبر دینے والا آیا تو میں نے مضطرب ہو کر کہا: دریا دل رخصت ہو گیا، کھلانے پلانے اور کپڑا لتا دینے والا جاتا رہا۔''

وقلت لما خلت منه مجالسه
لا يبعد الله عنا قرب شماس

''شماس کی مجلسیں اس کے بغیر سونی ہو گئیں تو میں نے دعا کی: اللہ ہمارے دلوں سے شماس کی قربت دور نہ کرنا۔''

ان اشعار کے جواب میں حضرت ام حبیب کے بھائی حضرت ابو الحکم بن سعید نے اپنی بہن سے اس طرح تعزیت کی:

اقني حياءك في ستر و في كرم
فإنما كان شماس من الناس

''پردہ پوشی اور اعلیٰ ظرف سے اپنی حیا کو برقرار رکھو، شماس بھی ایک انسان تھا۔''

قد ذاق حمزة ليث الله فاصطبري
كأسًا رواء ككأس المرء شمّاس

''حمزہ، شیر خدا نے بھی مرد خدا، شماس کی طرح موت کا جام سیر ہو کر پی لیا تو تُو صبر کر لے۔''

حضرت شماس کی مشرکہ بیوی

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے لیڈر سہیل بن عمرو کے کہنے پر اس شرط کا اضافہ کیا گیا کہ اگر مکہ سے کوئی شخص، کافر ہو یا مسلمان، مدینہ چلا گیا تو مسلمان اسے مکہ واپس بھیج دیں گے۔ اس کے برعکس مدینہ سے کوئی مسلمان اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مکہ چلا گیا تو مشرکین اسے لوٹانے کے پابند نہ ہوں گے (مسلم، رقم ۴۶۵۵۔ احمد، رقم ۱۳۸۲۷۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۸۷۰)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب ابھی حدیبیہ میں تشریف فرما تھے کہ معاہدہ لکھوانے والے سہیل کے مسلمان بیٹے حضرت ابوجندل بیڑیوں میں جکڑے گھسٹتے ہوئے پہنچ گئے۔ سہیل نے اپنے بیٹے کو تھپڑ مار کر کہا: یہ پہلا فرد ہے جسے لوٹانے کی شرط میں نے منوائی ہے۔ ناچار انھیں لوٹایا گیا تو ایک مشرک صیفی بن راہب (یا مسافر مخزومی) کی مسلمان زوجہ حضرت سبیعہ (سعیدہ: قرطبی، مظہری) بنت حارث بھی آن پہنچیں۔ ان کا کافر شوہر انھیں لینے پہنچا تو انھیں نہ لوٹایا گیا، کیونکہ تب تک دار اسلام میں پناہ لینے والی مسلمان خواتین کے بارے میں اللہ کا یہ حکم نازل ہو چکا تھا:

فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡهُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡهُنَّ اِلَی الۡكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمۡ وَلَا هُمۡ يَحِلُّوۡنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوۡهُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا. (الممتحنہ ۶۰: ۱۰)

”اگر تمھیں علم (ظن غالب) ہو جائے کہ (دار اسلام میں آنے والی) یہ عورتیں مومنہ ہیں تو انھیں کافروں کو مت لوٹاؤ۔ یہ ان کفار کے لیے حلال ہیں، نہ وہ کفار ان کے لیے حلال ہیں۔ اور ان کافروں نے جو مہر اور مال خرچ کیا ہو، ان کو ادا کر دو۔“

چنانچہ حضرت سبیعہ کے شوہر کو اس کے ادا کردہ مہر کی رقم دے کر فارغ کر دیا گیا۔ اسی طرح حضرت ام کلثوم بنت عقبہ اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مدینہ پہنچیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائیوں کو تو معاہدے کی رو سے واپس کر دیا، لیکن حضرت ام کلثوم کو روک لیا اور ان کے شوہر عمرو بن العاص کو مہر کی رقم لوٹا کر رخصت کر دیا۔

اسی سلسلۂ احکام میں فرمان الٰہی نازل ہوا: 'وَلَا تُمۡسِكُوۡا بِعِصَمِ الۡكَوَافِرِ'، ”اور تم خود بھی کافر عورتوں کی عصمتوں پر قابض نہ رہو“ (الممتحنہ ۶۰: ۱۰)۔ یعنی ان کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔ چنانچہ حضرت عمر نے اپنی دو کافر بیویوں قریبہ (قرینہ یا فاطمہ) بنت ابوامیہ اور کلثوم بنت عمرو کو اور حضرت طلحہ نے اپنی زوجہ اروٰی بنت ربیعہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کو طلاق دے دی۔ مفتی محمد شفیع کہتے ہیں: یہ طلاق قطع تعلق کے معنوں میں تھی، کیونکہ اہل ایمان کا دارالکفر میں رہنے والی کافر بیویوں سے نکاح تو اللہ کے اس ارشاد کے بعد فسخ ہو چکا تھا۔ طبرسی کہتے ہیں: کافر عورتوں میں مشرکہ اور اہل کتاب سب شامل ہیں، اس آیت کی رو سے کتابیہ عورت سے نکاح اتنا ہی حرام ہو گا، جتنا مشرکہ سے سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک روایت چند کتب تفسیر میں بغیر سند کے بیان ہوئی ہے، جب کہ طبرسی نے اسے زہری کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر چھ مہاجر مسلمانوں کی بیویوں نے ہجرت کرنا قبول نہ کیا، بلکہ انھوں نے مشرکین کی صف میں شامل ہونا مناسب سمجھا۔ ابوسفیان کی بیٹی ام حکم جو حضرت عیاض بن شداد سے بیاہی ہوئی تھی، حضرت ام سلمہ کی بہن فاطمہ بنت امیہ جو حضرت عمر کی زوجیت میں تھی، حضرت عمر کی دوسری بیوی کلثوم بنت جرول، بروع بنت عقبہ جو حضرت شماس کے عقد میں تھی، حضرت عمرو بن عبدود کی بیوی عزہ بنت عبدالعزیز (یا عبدہ بنت عبدالعزیٰ) اور حضرت ہشام بن العاص کی زوجہ ہند بنت ابوجہل (الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، ابواسحٰق ثعلبی۔ معالم التنزیل، بغوی۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، زمخشری۔ مجمع البیان فی تفسیر القرآن، طبرسی)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اولاد

حضرت ام حبیب بنت سعید سے حضرت شماس کے بیٹے عبداللہ اور بیٹی ام حبیب کی پیدائش ہوئی۔ یہ دونوں لاولد فوت ہوئے، اس لیے حضرت شماس کا سلسلۂ نسل منقطع ہو گیا۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن اسحٰق)، السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، انساب الاشراف (بلاذری)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، اصحاب بدر (قاضی سلیمان منصورپوری)، Wikipedia۔

محمد ذکوان ندوی

دعا اور اُس کی قبولیت

دعا دل کی پکار اور عاجزی کے اظہار کا نام ہے۔ یہ ایک بندے کا اپنے خالق و مالک اور پروردگار عالم سے مانگنا اور اُس سے پانا ہے۔ تاہم دعا کا مطلب مانگی ہوئی ہر چیز کا بہر صورت مل جانا نہیں، بلکہ دوسری تمام چیزوں کی طرح دعا کے بھی کچھ آداب ہیں۔

دعا اور اُس کی قبولیت کے آداب کیا ہیں اور وہ کون سی دعا ہے جسے اللہ کے ہاں قبولیت عطا کی جاتی ہے، اِسے قرآن میں پیغمبر یوسف اور زنان مصر کی حسین داستان کے تحت واقعات کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں سورۂ یوسف کے درج ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

> ''شہر میں کچھ عورتیں باہم چرچا کرنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈال رہی اور اُس کی محبت میں فریفتہ ہو گئی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ کھلی حماقت میں مبتلا ہے۔ سو اِن زنان مصر کے فریب کا حال جب عزیز مصر کی بیوی نے سنا تو اُس نے اِن عورتوں کو بلا بھیجا (کہ وہ بھی اپنے ہنر آزما لیں)۔ چنانچہ اُن کے لیے ایک مجلس آراستہ کی اور اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور یوسف سے کہا کہ اِن کے سامنے آ جاؤ۔ پھر جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو وہ اُس کی عظمت سے مبہوت ہو کر رہ گئیں اور (یوسف سے اپنی بات منوانے کے لیے) جگہ جگہ سے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے، لیکن (ناکام رہیں اور بالآخر) پکار اُٹھیں کہ حاشاللہ، یہ آدمی نہیں، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ (اُس وقت اِن عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے) عزیز مصر کی بیوی نے کہا: دیکھ لیا، یہی ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں۔ میں نے یقیناً اِس کو رِجھانے کی کوشش کی تھی، مگر یہ (میرے دام سے) بچ نکلا۔ تاہم میں اِس سے جو کرنے کے لیے کہہ رہی ہوں، اگر اِس

نے وہ کام نہیں کیا تو وہ ضرور قید کیا جائے گا اور یقیناً ذلیل ہو گا۔ اِس پر یوسف نے دعا کی کہ پروردگار، قید خانہ مجھے اُس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ بیگمات مصر مجھے دعوت دے رہی ہیں۔ اب اگر تو نے اِن کے فریب کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں اِن کی طرف مائل ہو کر اُن لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا جو اِس قسم کے جذبات سے مغلوب ہو جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ (اِس دعا و کردار کا نتیجہ یہ ہوا کہ) یوسف کے پروردگار نے اُس کی یہ دعا قبول فرمائی اور اُن کا فریب اُس سے دفع کر دیا۔ بے شک، وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔''

(۱۲: ۳۰-۳۴)

سیدنا یوسف کی دعا اور اُس کی اِجابت و قبولیت کے اصل قرآنی الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ ۚ وَاِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَہُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡہِنَّ وَاَکُنۡ مِّنَ الۡجٰہِلِیۡنَ. فَاسۡتَجَابَ لَہٗ رَبُّہٗ فَصَرَفَ عَنۡہُ کَیۡدَہُنَّ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ.(۳۳-۳۴)

اِس سلسلے میں استاذ جاوید احمد غامدی اپنی تفسیر ''البیان'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بڑے عجز کے ساتھ خدا سے مدد کی التجا ہے، جو اپنے ایمان و اخلاق کو بچانے کے لیے پوری طاقت نچوڑ دینے کے بعد اُن کی زبان پر آ گئی ہے۔ آگے وضاحت ہے کہ یہ دعا فوراً قبول ہو گئی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب بندہ شیطان کے مقابلے میں اِس حد تک استقامت دکھانے کے بعد اپنے آپ کو اپنے پروردگار کے آگے ڈال دیتا ہے تو اُس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور فوراً قبول ہوتی ہے۔''(۵۳۵/۲)

یہاں استاذ امین احسن اصلاحی کا متعلق توضیحی نوٹ بھی قابل مطالعہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''یہ دھمکی تو زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مرعوب کرنے کے لیے دی تھی کہ اِس سے ڈر کر وہ اُس کی خواہش پوری کرنے پر آمادہ ہو ہی جائیں گے، لیکن حضرت یوسف نے ہوس کے اِن پھندوں کے مقابلے میں جیل کی بیڑیوں کو بسا غنیمت جانا۔ انھوں نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے کہ پروردگار، اِن کی دعوت ہوس کے مقابلے میں یہ جیل مجھے کہیں زیادہ عزیز و محبوب ہے اور ساتھ ہی ناز اور اعتماد کا یہ فقرہ بھی فرما گئے کہ ''اگر تو نے اُن کے اِن فتنوں سے اب مجھے نہ بچایا تو میں اُن کی طرف مائل اور جذبات سے مغلوب ہو جاؤں گا۔''(تدبر قرآن ۴: ۲۱۱)

استاذ امین احسن اصلاحی مزید تحریر فرماتے ہیں:

> ”حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے یہ دعا اُس وقت نکلی ہے جب وہ اپنی پوری طاقت اپنے ایمان و اخلاق کی حفاظت کے لیے نچوڑ چکے ہیں، یہاں تک کہ وہ اِن بیگمات کی پیدا کی ہوئی پر فتن زندگی کے مقابلے میں جیل کی پر محن زندگی کو قبول کرنے پر راضی ہیں۔“(تدبر قرآن ۴/ ۲۱۱)

قرآن میں بیان کردہ اِس پیغمبرانہ واقعے سے دعا کے متعلق ایک گہرا اصول معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ اپنے کسی مطلوب کو پانے یا کسی نامطلوب سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی پہلے اپنی استطاعت کے بقدر اپنے حصے کا عمل انجام دے۔ وہ اِس معاملے میں ہر کوتاہی سے پوری طرح اجتناب کرے۔ وہ کسی مطلوب چیز کو پانے یا کسی نامطلوب چیز سے بچنے کے لیے اپنے پورے عزم و قوت اور اپنی تمام تر عملی اور جذباتی طاقت کو استعمال کرے، یہاں تک کہ اِس معاملے میں وہ اپنے عجز کی تلافی کے لیے اللہ سے عاجزانہ انداز میں نصرت کی دعا کرنے لگے۔ کوئی شخص جب تک اِس اولین شرط کو پورا نہ کرے، اُس وقت تک اُس کی دعا اپنی مطلوب صورت میں خدا کی بارگاہ میں ہرگز قبول نہیں ہوسکتی۔ یہی اِس معاملے میں اللہ کی حتمی سنت ہے۔ مخصوص قسم کے اضطرار (النمل ۲۷: ۶۲) کے سوا، اِس میں کسی بھی شخص یا کسی بھی صورت حال کا کوئی استثنا نہیں۔

(لکھنؤ ۱۵/ نومبر ۲۰۲۲ء)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خورشید احمد ندیم

مذہب اور عقل عام

عام آدمی سے اسلام کے عملی مطالبات، عقل عام کے ہر معیار پر پورا اترتے ہیں۔ یہ ہمارے واعظ ہیں جنھوں نے زیب داستاں کے لیے ان کی نوعیت کو یکسر بدل دیا ہے۔ ان کی تفہیم دین پر انحصار کرنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب، عقل عام سے متصادم یا ناقابل عمل ہے۔

ہر جمعہ کو اس بات کا تکلیف دہ حد تک احساس ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگ جمعہ کی نماز کے لیے خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ جس طرح عرب میں نماز پنج گانہ وہاں کے کلچر کا حصہ ہے، اسی طرح جمعہ ہمارا کلچر ہے۔ اگر کسی کو نماز کی توفیق نہ ہو تو وہ اتنا اہتمام ضرور کرتا ہے کہ اِس دن شلوار قمیص پہن لیتا ہے۔ اس کے لاشعور میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ یہ اسلامی لباس ہے۔ یوں، وہ انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ تاہم اکثریت جمعہ کی نماز پڑھتی ہے۔ ہمارے واعظ کی، مگر یہ خواہش ہے کہ جو نماز جمعہ کے لیے مسجد کا رخ کرتا ہے، اس کو اتنا زچ کیا جائے کہ کم از کم اگلے سات دن مسجد سے دور رہے۔

جمعہ کے اجتماعات کے لیے اکثر مساجد چھوٹی پڑ جاتی ہیں، بالخصوص وہ جو عوامی مقامات پر تعمیر کی جاتی ہیں، جیسے مارکیٹ اور بازار۔ جب جمعہ کے لیے لوگ مسجد کا رخ کرتے ہیں تو عام طور پر سڑکوں اور راستوں پر صفیں بچھا دی جاتی ہیں۔ اس سے چند مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے معمول کی ٹریفک رک جاتی ہے یا موسم کی شدت سے بچنے کا انتظام نہیں ہوتا، گرمیوں میں سایہ نہیں ہوتا اور بارش میں سائبان نہیں ملتا۔ اب عقل عام کا تقاضا یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو تاکہ معمول کی زندگی متاثر نہ ہو اور لوگ بھی موسم کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔ خطیب کو، مگر اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ بارہا مشاہدہ ہوا کہ نماز وقت پر کھڑی نہیں ہوتی۔ نماز جمعہ کا وقت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہو جاتا ہے، لوگ بے چینی کے ساتھ بار بار گھڑی دیکھتے ہیں، مگر واعظ کی شعلہ بیانی اور خوش الحانی ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ بعض اوقات بارش ہو رہی ہوتی ہے اور نماز کے بعد کی دعا بھی طویل سے طویل تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ باہر کھڑے لوگوں کا نماز میں کوئی دھیان نہیں ہوتا۔ ان کی ساری توجہ اس پر ہوتی ہے کہ کب نماز ختم ہو اور وہ بھاگیں۔ اس میں تشویش کی بات یہ ہے کہ کوئی نمازی اس جانب توجہ دلانے کی کوشش کرے تو مداخلت فی الدین کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ بعید نہیں کہ اس پر توہین مذہب کا الزام بھی لگ جائے۔ یہ الزام ایک عام آدمی کو کس انجام سے دوچار کر سکتا ہے، اس کا خیال ہی لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ اس لیے لوگ تنگ ہونے کے باوجود بولنے کی جرأت نہیں کرتے۔

یہ رویہ دین کے احکام کی صریح خلاف ورزی اور حکمت کے خلاف ہے۔ عہد رسالت میں خواتین باقاعدگی سے مسجد آیا کرتی تھیں اور ان کے شیر خوار بچے بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ اگر کسی بچے کے رونے کی آواز کان میں پڑتی تو نماز کو مختصر فرما دیتے کہ بچہ تا دیر تکلیف میں رہے اور نہ ماں کا دھیان نماز سے ہٹے۔ آپ نے وعظ و نصیحت کو مختصر رکھنے کی تلقین فرمائی کہ مخاطب کے لیے باعث اذیت نہ ہو۔ صحابہ کا طرز عمل بھی ایسا ہی تھا۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' میں اس کے بہت سے شواہد جمع کر دیے ہیں۔

فن خطابت اور تقریر سے مجھے بچپن ہی سے شغف ہے۔ یہ ایک اچھے خطیب کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ سامعین کے چہروں سے ان کی دل چسپی کا اندازہ کر لیتا ہے۔ اسے معلوم ہو جاتا کہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ مزید سننا چاہتے ہیں یا ان کے چہرے بات کو مختصر کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے موضوع کا انتخاب لوگوں کے چہرے دیکھ کر کرتا ہوں۔ جمعے کے اجتماعات میں حاضرین کے چہرے پکار پکار کر اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ خدارا! مختصر کیجیے، بلکہ بعض تو احتجاج کی طرف مائل ہوتے ہیں، مگر ہمارے واعظین ان سے بے نیاز کلام کو طول دیے جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان خطبا کا اپنے سامعین سے گفت و شنید کا کوئی باہمی رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ یہ صرف سمع خراشی ہوتی ہے۔ اس طرز عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ دین سے بے زار کرنے کا باعث بنتا ہے۔

اسی طرح پنج گانہ نماز دین کا حکم ہے۔ یہ بھی عقل عام پر مبنی ہے۔ دین کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے

بندے ہیں اور ہمیں اسی احساس بندگی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ نماز اس کی یاد دہانی ہے۔اس کی رکعتیں مختصر ہیں۔اس کے احکام بھی فرد کے حالات کی نسبت سے دیے گئے ہیں۔ وضو نماز کے لیے ضروری ہے۔ عام حالات میں اس کا پورا اہتمام ہو گا، تاہم موسم کی شدت، بیماری یا کسی غیر معمولی مصروفیت یا سفر کے باعث اس میں تخفیف کر دی گئی ہے اور اجازت دی گئی ہے کہ تیمم کیا جا سکتا ہے یا وضو کرتے وقت جرابوں پر مسح کیا جا سکتا ہے۔اسی طرح دو نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں۔ سفر اور بیماری میں فرض نماز کی رکعتیں بھی کم کی جا سکتی ہیں۔اس معاملے کو بھی، مگر اتنا پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ عقل عام نے اس پر سوالات اٹھانے شروع کر دیے ہیں۔ اگر آج لوگوں کو نماز کی ادائیگی مشکل لگتی ہے تو اس کی کوئی ذمہ داری دین پر نہیں ہے، یہ بھی واعظین ہی کی عطا ہے، جنھوں نے اسے مشکل بنا دیا ہے۔

عزیمت کا راستہ ہر کسی کے لیے کھلا ہے۔ انسانوں میں ایسے بھی ہیں جو تہجد کے وقت اٹھتے اور اس کے حضور میں حاضری دیتے ہیں۔ صائم الدہر بھی ہیں جو اکثر روزے کی حالت میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادائیں بہت محبوب ہیں۔وہ ان کی قدر کرتا ہے اور یقیناً ان کا اجر بھی زیادہ ہے۔تاہم انسانوں کا پروردگار، عام حالات میں انسانوں سے جو بنیادی مطالبات کرتا ہے، ان پر عمل بہت آسان ہے۔ خاص طور پر عبادات۔ پھر ان احکام میں ترجیحات بھی ہیں۔ کچھ زیادہ اہم ہیں، کچھ کم، تاہم یہ اس وقت میرا موضوع نہیں۔ افراط و تفریط کے ضمن میں یہ ایک دوسرا طرز عمل ہے، جسے حضرت مسیح علیہ السلام نے ان الفاظ میں بیان کیا کہ تم مچھر چھانتے اور اونٹ نگلتے ہو۔یعنی دین میں اہم احکام کو نظر انداز کرنا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر زیادہ اصرار کرنا، اس نے بھی دین کو عقل عام کے بالمقابل لا کھڑا کیا ہے۔

فکری مباحث اپنی جگہ، مگر پاکستان میں عام آدمی کو اس بات کی تعلیم دینا اشد ضروری ہے کہ دین پر عمل سہل ہے۔ یہاں دین چونکہ نجی شعبے کے پاس ہے، اس لیے علما کی زیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو ان زنجیروں سے آزاد کریں جو غیر ضروری طور پر انھیں مذہب کے نام پر پہنائی گئی ہیں۔ یہاں ایک تحریک اٹھنی چاہیے: 'دین آسان ہے'۔ لوگوں کو باور کرایا جائے کہ دین عقل سلیم کے مطابق ہے اور انسانوں سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتا جو غیر معقول ہے۔ اگر عوام کو کوئی ایسی بات بتائی جاتی ہے تو یہ کسی کا سوء فہم ہو گا، دین اس سے بری ہے۔

اس تحریک کا آغاز نماز جمعہ کے معاملے میں عقل عام کے استعمال سے ہونا چاہیے۔ مدرسے میں تعلیم کے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مرحلے میں، اگر حکمت دعوت کو بھی موضوع بنایا جائے تو شاید کچھ بہتری آسکے، کیونکہ مسجد کے منبر پر بیٹھنے والا، بالعموم مدرسے کا فارغ التحصیل ہوتا ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۱۸؍ فروری ۲۰۲۳ء)

صدقہ

"اللہ کی راہ میں انفاق کا ایک درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے مال میں سے فرض زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنی ذاتی اور کاروباری ضرورتوں سے زیادہ جو کچھ ہو، اُسے معاشرے کا حق سمجھے اور جب کوئی مطالبہ سامنے آئے تو اُسے فراخ دلی کے ساتھ پورا کر دے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشوں کو دبا کر اور اپنی ضرورتوں میں ایثار کر کے بھی وہ دوسروں کی ضرورتیں پوری کرے۔ یہی وہ چیز ہے جسے قرآن نے 'وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'* (اور اُنھیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود ضرورت مند ہوں) کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ صدقہ دینے والوں کی تعبیر اِن سب صورتوں کو شامل ہو سکتی ہے، لیکن بیان اوصاف کے موقع پر جب کسی شخص کو 'مُتَصَدِّق' کہا جائے گا تو اِس سے اشارہ اصلاً اُس کے درجۂ کمال کی طرف ہو گا۔ یعنی جو سخی اور فیاض ہو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔ بندوں کے تعلق سے یہ اُسی خشوع کا ظہور ہے جو اِس سے پہلے مذکور ہے۔ نماز اور انفاق کا ذکر قرآن میں اِسی بنا پر ساتھ ساتھ آتا ہے۔" (میزان ۲۵۵)

* الحشر ۵۹: ۹۔

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی*

پروفیسر نجات اللہ صدیقی: ایک فکری مسافر

(۱)

اکتوبر ۲۰۲۲ء کے آخری عشرہ میں راقم شدید بیمار پڑا تو تقریباً پورے نومبر تک علالت کا سلسلہ دراز ہو گیا۔ صاحب فراش ہونے کی وجہ سے سوشل میڈیا سے بھی بالکل کٹ کر رہ گیا۔ ۱۲/ نومبر کی دوپہر میں کشمیر سے بھائی سہیل بشیر کا فون آیا تو یہ اطلاع مل سکی کہ آج صبح پروفیسر نجات اللہ صدیقی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ۹۱ سال کے تھے، رعشہ کے مریض اور کیلی فورنیا امریکا میں اپنے بچوں کے پاس مقیم تھے۔ گو کہ کافی دنوں سے ان کی بیماری کی خبریں آرہی تھیں، جن کی وجہ سے یہ خبر بالکل بھی غیر متوقع نہ تھی، تاہم ایک بڑے آدمی کی رحلت سے یک گونہ یتیمی اور قحط الرجال کا احساس اور شدید ہو گیا۔ راقم خاک سار کے پروفیسر نجات اللہ صاحب مرحوم سے بڑے نیاز مندانہ تعلقات تھے۔ کئی بار انھوں نے فون کر کے میرے بعض مضامین پر مبارک باد دی اور کئی بار تنبیہ بھی فرمائی، اور بعض نزاکتوں اور فروگذاشتوں کی طرف توجہ بھی دلائی۔ کئی موقعوں پر انھوں نے عصر حاضر کو سمجھنے کے لیے معاون مراجع کی نشان دہی کی۔ ان سے ملاقاتوں، گفتگوؤں اور تحریروں سے تاثر کی یادوں کا ایک سلسلہ تھا جو ذہن کی اسکرین پر آرہا تھا۔ بہر حال اس وقت تو ایک مختصر سی فیس بک پوسٹ لکھ دی تھی، لیکن ان کا حق تھا کہ ان کے اوپر تفصیلی مضمون لکھا جائے۔ اسی احساس کے تحت اس تاثراتی تحریر میں نجات صاحب کی شخصیت کے بعض اچھوتے گوشوں کو سامنے لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ہمارے گھرانے اور ماحول میں کوئی غیر معروف آدمی نہ تھے۔ لوگ عام طور پر ان کو

* ریسرچ ایسوسی ایٹ، مرکز فروغ تعلیم و ثقافت مسلمانان ہند، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

اسلامی معاشیات کے ایک ماہر کی حیثیت سے جانتے تھے۔ اور جماعت اسلامی سے وابستہ یا اس سے قربت رکھنے والے ان کی صلاحیتوں کے بڑے معترف تھے۔ میرے بڑے بہنوئی ہاپوڑ شہر کے حافظ ریاست علی، جو جماعت کے بڑے والہ اور شیدا تھے، غالباً میرٹھ شہر میں منعقد جماعت کے کسی اجتماع کا حال بیان کرتے تھے کہ:

''اسٹیج پر ایک سوٹڈ بوٹڈ ہلکی ڈاڑھی والا لمبا سا ایک لڑکا ایک پینل ڈسکشن میں بڑے اہم سوالوں کا جواب فر فر اور بڑے معقول اور سائنٹیفک طریقہ سے دے رہا تھا، معلوم ہوا کہ ثانوی درس گاہ رامپور سے پڑھ کر نکلا ہے اور علی گڑھ سے ایم اے کر رہا ہے۔ اس کا نام نجات اللہ صدیقی ہے۔''[1]

حافظ صاحب مرحوم خود بڑی مدلل اور مرصع گفتگو کرتے تھے، نجات صاحب کے بارے میں ان کا یہ تاثر ہمیشہ ذہن میں محفوظ رہا، حالاں کہ ڈاکٹر نجات اللہ صاحب سے دید و شنید تو بہت بعد میں ہوئی، مگر ان کی تحریریں گاہے بگاہے مطالعہ میں آتی رہیں: ''اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہ''، ''تحریک اسلامی عصر حاضر میں''، ''مدارس اسلامیہ اور عصری تقاضے''، ''اسلام اور نظریۂ ملکیت'' اور ''انشورنس اسلامی معیشت میں'' وغیرہ۔ اس کے علاوہ ماہنامہ ''زندگی نو'' میں اسلام اور تشدد اور دوسرے مقالات و مضامین پڑھنے کو ملے۔ اور بہت بعد میں راقم کے کرم فرما جناب امین عثمانی مرحوم نے ان کا گراں قدر کتابچہ ''فکر اسلامی: بعض توجہ طلب مسائل'' شائع کرایا تو وہ پڑھنے میں آیا۔ نیز ان کی کتاب ''اسلام، معاشیات اور ادب خطوط کے آئینہ میں'' کے ذریعے سے ان کی فکر سے بھرپور آشنائی ہو گئی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۹۳۱ء کو گورکھپور کے ایک گاؤں پڑرونا میں نجات اللہ صدیقی کی پیدایش ایک متوسط درجہ کے دین دار گھرانا میں ہوئی۔ گورکھپور شہر میں بھی ان کے خاندان کا آبائی مکان موجود ہے۔ زمانۂ طالب علمی میں راقم کا تعلق ''کل ہند طلبہ تحریک'' سے ہوا اور اس سلسلہ میں گورکھپور جانا ہوا تو نجات صاحب کے آبائی گھر کی ہم لوگوں نے زیارت کی، جس میں اس وقت ان کے بھتیجے ڈاکٹر احمد اللہ صدیقی (مقیم الینوائے امریکا) کے اعزہ رہے تھے۔ نجات اللہ صاحب نے ہائی اسکول، اسلامیہ انٹر کالج اسکول گورکھپور سے پاس کیا اور اسی زمانہ میں جماعت کے اکابر اور لٹریچر سے ان کا واسطہ پڑا۔ اس زمانہ میں ان کے یار غار عبد الحق انصاری تھے جو بعد میں امیر جماعت بنے۔ مزید تعلیم کے لیے علی گڑھ کا رخ کیا اور بی اے میں داخلہ لیا، لیکن جماعت سے شدید طور پر متاثر ہو جانے کی وجہ سے یہ نوجوان موجودہ سیکولر نظام تعلیم سے نالاں تھے۔ چنانچہ نجات اللہ صاحب اور ان کے کچھ اور

۱۔ زبانی بیان۔

ساتھی رامپور میں جماعت کے مرکز پہنچے اور اکابرین جماعت مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی امیر جماعت اسلامی اور مولانا صدر الدین اصلاحی وغیرہم سے ان لوگوں نے بڑے اصرار سے عرض کیا: ''ہم اپنے کیریئر کو خیرباد کہہ کر آئے ہیں، آپ ہمارے لیے عربی اور اسلامی علوم کے پڑھنے کا نظم قائم کریں''۔ چنانچہ ان لوگوں کے پیہم اصرار اور شوق کے باعث ''ثانوی درس گاہ'' کا قیام عمل میں آیا، جو بالکل نیا تجربہ تھا اور ۱۹۵۰ء-۱۹۶۰ء تک قائم رہی اور اس سے غالباً دو بیچ پڑھ کر نکلے۔ پہلے بیچ میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، عبد الحق انصاری (سابق امیر جماعت اسلامی ہند) قاضی اشفاق (مقیم سڈنی) فلسفی راؤ عرفان احمد خان (جنھوں نے بعد میں انگریزی میں قرآن کی طبع زاد تفسیر ''Understanding The Quran'' لکھی[۲] اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی اور مولانا وحید الدین خاں تھے۔ پانچ سال تک عربی زبان اور اسلامی علوم پڑھنے کے ساتھ ہی نجات صاحب نے مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں بھی چھ مہینے گزارے، اور وہاں رہ کر مولانا اختر احسن اصلاحی تلمیذ رشید مولانا حمید الدین فراہی سے استفادہ کیا۔ ثانوی درس گاہ میں ان حضرات کے اساتذہ میں مولانا صدر الدین اصلاحی، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا جلیل احسن ندوی اور مولانا حامد علی مظاہری وغیرہم تھے۔

ثانوی درس گاہ سے فارغ ہونے کے بعد ان حضرات کو جماعت مختلف ذمہ داریوں کے تحت کھپانا چاہتی تھی، جب کہ نجات اللہ صاحب کا نقطۂ نظر اور آگے پڑھنے اور اسلام کے احیا کے لیے علمی کام کرنے کا تھا۔ بہر حال اکابر جماعت اور ان نئے ولولوں سے سرشار جوشیلی طبیعت کے نوجوانوں کے نقطۂ نظر میں ہم آہنگی نہ ہو سکی تو نجات صاحب اور ان کے رفقا نے علی گڑھ کا رخ کیا اور اپنی اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی۔ علی گڑھ سے نجات صاحب نے معاشیات میں ایم اے اور پھر ۱۹۶۶ء میں ''نظریۂ نفع'' پر پی ایچ ڈی کی۔ پی ایچ ڈی کی تکمیل سے ایک سال پہلے ہی ان کو شعبۂ معاشیات میں لیکچرر شپ مل گئی تھی، اور پھر وہیں ریڈر ہو گئے۔ اُس زمانہ میں یونیورسٹیوں میں ایک شعبہ سے دوسرے متعلقہ شعبہ میں جانے کی سہولت حاصل تھی، چنانچہ نجات صاحب ۱۹۷۷ء میں شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر ہوئے اور صدر شعبہ بھی رہے۔ سن ۱۹۷۸ء میں انھوں نے سعودی عرب کی کنگ عبد العزیز یونیورسٹی جدہ جوائن کر لی اور پھر سن ۲۰۰۰ء میں وہیں سے ریٹائرڈ ہوئے۔ یہ مدت ان کے علمی کاموں کے لیے بڑی زرخیز تھی، ان کی انگریزی اور اردو میں بہت ساری بنیادی اور مرجعیت رکھنے والی تحریریں اسی عرصہ میں شائع ہوئیں، یہاں تک کہ ۱۹۸۲ء میں اسلامی علمی خدمات پر ان کو فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔

۲۔ اس پر انگریزی میں تبصرہ کے لیے ملاحظہ کریں: Milli Gazzet2011Jan 15-1۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

وہ بہت سارے علمی اداروں اور یونیورسٹیوں کے اہم شعبوں کے رکن رہے۔ کئی علمی مجلوں کے سرپرست اور مشیر رہے۔ اور ۲۰۰۱ء میں کیلی فورنیا یونیورسٹی کے فیلو بھی رہے۔[3] ڈاکٹر نجات صاحب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی، ترکی، فارسی، انڈونیشی اور مالیزی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور تقریباً ۴۹ کتابوں کے علاوہ انھوں نے مختلف موضوعات پر ۶۰ پیپرز لکھے جو حوالہ کے جرنلز اور تحقیقی رسائل میں شائع ہوئے۔ نجات اللہ صدیقی صاحب نے قیام مغرب کے دوران میں ”Encyclopedia of Islamic Economics“ کو بھی ایڈٹ کیا جو شائع ہو چکا ہے۔

جہاں سر سید علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے، جب وہاں کی اکیڈمک فضا اور خاص کر شعبۂ تاریخ میں سرخوں کا بڑا دبدبہ رہا۔ ترقی پسندوں سے بھی آگے بڑھ کر کمیونسٹ طلبہ و دانش وروں نے اپنا بڑا اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا۔ تاریخ، انگریزی، اردو اور بعض دوسرے شعبوں میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ اُس وقت نجات صاحب علی گڑھ میں تھے اور یہاں سے ایم اے یا پی ایچ ڈی کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں، عبد الحق انصاری، فضل الرحمٰن فریدی اور ابن فرید وغیرہ کو لے کر یونیورسٹی کے مختلف ہالوں میں طلبائی پروگرام کیے اور طلبہ تحریک کی یونٹیں قائم کیں۔ اسی طرح انھوں نے ادب میں ایک تعمیری تحریک یا اسلامی ادبی تحریک بھی شروع کی اور اس زمانہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے کہانیاں اور افسانے بھی لکھے۔ نیز مقالات کے دو مجموعے بھی شائع کیے۔[4] ادب کی تعمیری تحریک یا اسلامی ادبی تحریک کی ابتدا ابھی انھوں نے طالب علمی کے زمانہ میں گورکھ پور سے ہی کر دی تھی۔ چنانچہ حلقۂ ادب اسلامی گورکھ پور سے شمس الرحمٰن فاروقی سمیت بہت سے لوگ وابستہ ہوئے تھے۔ بعد میں فاروقی اردو زبان کے بڑے ادیب اور دانش ور بن کر سامنے آئے۔

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے ۱۹۶۷ء میں اسلامی بینکنگ کو غیر سودی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے سودی بینک کاری کے متبادل کے طور پر علمی بنیادوں پر پیش کرنا شروع کیا۔ اور بتدریج اس کے عملی خط و خال بھی طے کیے۔ ماہنامہ ”زندگی نو“ اور ”چراغ راہ“ کراچی میں سلسلہ وار مضامین سے اس کی ابتدا ہوئی، جو بعد

۳۔ ملاحظہ ہو:

https://muslimmirror.com/eng/dr-muhammad-nejatullah-siddiqi-the-father-of-modern-islamic-banking/

۴۔ یہ دو کتابیں ہیں: ”اسلام اور فنون لطیفہ“ اور ”ادب اسلامی: نظریاتی مقالات“۔

میں ''غیر سودی بینک کاری'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ یوں ان کا پیش کردہ خاکہ منقح ہو کر اسلامی بینکنگ کے ایک مستقل نظام کی شکل میں سامنے آیا۔ بعد میں نجات صاحب اس کو اسلامی کے بجائے Participatory Banking کہنا پسند کرتے تھے، جیسا کہ جناب ایچ عبد الرقیب کو انگریزی میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے انھوں نے اظہار کیا ہے۔[۵] اس موضوع پر پھر اور علما اور اسکالروں نے بھی لکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس کے عملی تجربات بھی دنیا میں ہونے لگے۔ چنانچہ آج دنیا میں بینکوں کی قریباً ۵۰۰ شاخیں غیر سودی بینکنگ کا تجربہ کر رہی ہیں۔[۶] پاکستان میں روایتی علما و فقہا میں مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ نے بھی اس رجحان کی حوصلہ افزائی کی اور خود اسلامی مالیاتی سرگرمیوں کی سرپرستی کی۔ البتہ پاکستان میں متشدد علما کا ایک طبقہ اس پوری محنت پر پانی پھیر نا ضروری سمجھتا ہے اور اسلامی فائنانس یا اسلامی بینکنگ کے تصور سے ہی اس کو سخت الرجی ہے۔[۷]

ڈاکٹر نجات اللہ صاحب کی تحریروں کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر خان یاسر نے لکھا ہے:

''بات کی تہ تک پہنچنا اور علمی بحث کو آگے بڑھانے میں انھیں خاص درک حاصل تھا۔ وہ تکرار اور گھوم گھوم کر ایک ہی بات دہرانے کے قائل نہیں تھے۔ مثال کے طور پر اپنے ایک مقالے: Islamization of Knowledge, Reflections on Priorities میں وہ بحث کو موجودہ علوم کے اسلامائزیشن سے آگے لے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں عدل، احسان اور تعاون جیسی اسلامی قدروں کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے علمی تحقیق کی اساس اور طریق کار کو اسلامی مزاج سے ہم آہنگ کرنے کی وکالت کرتے ہیں۔ ... ان تراجم کی زبان ٹھوس، نثر شستہ اور رواں اور تحقیقی معیار مسلم ہے۔ مترجم نے قاری تک صرف مصنف کتاب کے استعمال کردہ الفاظ کے معانی منتقل نہیں کیے ہیں، بلکہ مصنف اور کتاب کے پورے سیاق سے قاری کو ہم آہنگ کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے، ساتھ ہی ترجمہ کردہ علمی کاوش کی علمی و تاریخی قدر بھی متعین کرتے چلے ہیں۔ ... اسی طرح قاضی ابو یوسف کی ''کتاب الخراج'' کے ترجمے میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے تقریباً ۷۵ صفحات پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ تحریر کیا ہے، جس میں اس دور کا تاریخی پس منظر، قاضی ابو یوسف کے

۵۔ https://youtu.be/L9JXSvy7Nco۔

۶۔ https://youtu.be/L9JXSvy7Nco۔

۷۔ ملاحظہ ہو: مفتی تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری، متعلقہ فقہی مسائل کی تحقیق اور اشکالات کا جائزہ شائع کردہ فرید بک ڈپو، دہلی انڈیا ۲۰۱۰ء۔

حالات زندگی، تصانیف کا اجمالی تعارف، مناقب و محاسن، معاصرین کی جانب سے کی جانے والی تنقیدوں کا محاکمہ اور اسلامی تاریخ میں ان کے علمی مقام کا تعین وغیرہ شامل ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے اس مقدمے میں ''کتاب الخراج'' کا اپنے موضوع پر دیگر معاصر کتب سے موازنہ اور اس کی علمی و تاریخی اہمیت، اس کے مختلف نسخوں، شرحوں، اور ترجموں کا ذکر بھی کیا ہے۔ اسی طرح کتاب کی شروعات ہی میں درہم، مثقال، دینار، اوقیہ، صاع، وسق وغیرہ سکوں، اوزان اور پیمانوں کا تحقیقی تعارف بھی پیش کر دیا ہے تاکہ کتاب سے استفادے میں زمانی بُعد حائل نہ ہو سکے۔''[8]

یاد رہے کہ ''العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام'' میں سید قطب نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہی نقطۂ نظر اختیار کر لیا ہے جو مولانا مودودی وغیرہ کا ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ علما کے حلقہ میں سید قطب کو بہت مطعون کیا گیا اور یہاں تک کہ اخوان دشمنی میں ناصر کی حمایت تک کی گئی۔[9]

امانت علمی کی خاطر یہ بھی عرض کر دوں کہ نجات صاحب کی تمام آرا سے کلی اتفاق راقم کو بھی نہیں، مثال کے طور پر مولانا مودودی کی معروف اور متنازعہ فیہ کتاب ''خلافت و ملوکیت'' کے بارے میں ان کی رائے اور خاک سار کی رائے بالکل الگ ہے۔ وہ اس کتاب کو فلسفہ وتاریخ اسلامی یا تعبیر تاریخ اسلامی کے اعتبار سے مودودی صاحب کی چند اونچی تصنیفات میں شمار کرتے تھے[10]، جب کہ راقم کو یہ کتاب نہ صرف علمی لحاظ سے بودی لگی، بلکہ سیدنا عثمان، سیدنا امیر معاویہ، سیدنا عمرو بن العاص اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس کی رکیک زبان کی وجہ سے اس سے رفض و تشیع کی بو آتی ہے (مزید دیکھیے: حاشیہ ۱۲)۔

ڈاکٹر نجات اللہ صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بہت پڑھتے تھے اور مستقل سوچتے تھے۔ ان کی کتاب ''مقاصد شریعت'' ہند میں شائع ہوئی تو ماہنامہ ''افکار ملی'' (جس کی ادارت ان دنوں خاک سار کر رہا تھا) میں ڈاکٹر عبدالقادر لون کا تفصیلی تبصرہ شائع ہوا۔ اپنے تبصرہ میں لون صاحب نے شیخ ابن العربی کی

۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

https://wp.me/p7zTiB-g5i

۹۔ ملاحظہ ہو: مولانا مودودی کا خط نجات صاحب کے نام (اسلام، معاشیات اور ادب خطوط کے آئینہ میں، ص ۴۴، سلسلہ نمبر ۸)۔

۱۰۔ اسلام، معاشیات اور ادب، ص ۸۵، سلسلہ نمبر ۵۷۔

’’فصوص الحکم‘‘ کے حوالہ سے لکھا کہ شیخ نے اس میں ’’مقاصد شریعت‘‘ کی طرف اشارے کیے ہیں۔ اس کے بعد جب نجات صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ یہ تبصرہ دیکھنے کے بعد انھوں نے ’’فصوص الحکم‘‘ بالاستیعاب دیکھی، مگر وہ بحث ان کو کہیں ملی نہیں۔

اگلی سطور میں راقم فکر اسلامی کے ان چند مسائل اور ایشوز کی طرف قاری کی توجہ ملتفت کرنا چاہے گا جن میں مفکر نجات اللہ صدیقی دوسرے علما اور اسلامیین سے بالکل الگ ہٹ کر سوچتے تھے۔

مسلم دنیا میں کون سے فکری تغیرات ہو رہے ہیں، مختلف ملکوں میں مختلف شخصیات کن مسائل پر سوچ رہی ہیں اور نئے رجحانات کیا ہیں، اِس پر ڈاکٹر صدیقی کی گرفت اور اطلاع قابل رشک تھی۔ اس معاملہ میں وہ بہت اپ ڈیٹ تھے۔ راقم کے خیال میں ان کی کتاب — ’’اسلام، معاشیات اور ادب: خطوط کے آئینہ میں‘‘ — میں اسلام کی سیاسی تعبیر کے سلسلہ میں ان کا اضطراب جھلکتا ہے۔ اور اس کے under currents میں وہ فکر مودودی کے متوازی سوچ رہے ہیں، اور بعد کی تحریروں میں یہ چیز اور زیادہ نمایاں ہونے لگتی ہے اور وہ تحریک کی تنگ نائیوں سے نکل کر سوچنے لگتے ہیں۔

حسن اتفاق تھا کہ راقم کا نجات صاحب سے جو interaction ہو، وہ یہی زمانہ ہے۔ علی گڑھ کے ڈاکٹر محمد زکی کرمانی نے ڈاکٹر نجات صاحب سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔ ۲۸ / نومبر ۲۰۲۲ء کو ایک آن لائن تعزیتی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے بھی یہی خیال ظاہر کیا کہ نجات صاحب مولانا مودودی کی غلبہ والی اسلامی فکر سے مطمئن نہیں تھے۔ وہ اسلام کے احیا کو تو صحیح سمجھتے تھے، مگر غلبہ کو نہیں۔ اور احیا کے لیے بھی علم کا احیا اور نالج پروڈکشن ضروری سمجھتے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ تحریک کے لوگ اور عام مسلمان بھی علم کے سلسلہ میں بہت confused ہیں۔ نجات صاحب کے نزدیک علم کے دو مآخذ ہیں: ایک ماخذ وحی ہے، جب کہ دوسرا ماخذ کتاب کائنات ہے۔ علم کا سود مند استعمال مسلمانوں کے عالمی غلبہ کے لیے نہیں، بلکہ عام انسانیت کی فلاح و بہود کے لیے ہونا چاہیے۔ اور اس کے لیے خطرہ اور فتنہ کا رسک لیتے ہوئے بھی آزادی فکر کی ضرورت ہے۔ نجات صاحب سوال کرتے ہیں کہ کیا دنیا کی تشکیل نو اپنی قیادت میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے؟ کیا یہ کافی نہیں کہ دنیا کے سامنے اسلام کو پیش کر دیا جائے؟ اگر غلبہ کا سوال صحیح نہیں تو غلبہ کے مفروضوں کے ساتھ کیوں امت کو manipulate کیا جاتا رہا ہے؟ کیا اگر کوئی تبدیلی آتی ہے تو وہ قدیم زمانہ کی طرف واپسی ہو گی؟ کیا ایسا رجوع مطلوب ہے؟ نجات صاحب

کہتے تھے کہ ہماری توجہ نتائج سے زیادہ طریقۂ کار پر کیوں ہے؟ان کو افسوس تھا کہ ساری امت میں اس بات کا چلن ہے کہ مسلمانوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ خود کچھ نہ سوچیں، اسلاف نے سب سوچ لیا ہے؟ انھی کی نظروں سے دیکھا جائے اور انھی کے دماغ سے سوچا جائے؟ یہ ماضی پرستانہ اپروچ نہایت نقصان دہ ہے اور ڈاکٹر نجات صاحب اس پر شدید تنقید کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں، مدارس اور مراکز میں ہر جگہ سارا زور ماضی کے علم پر ہے، نیا علم پیدا کرنے پر کوئی زور نہیں ہے۔ان کا کہنا ہے کہ امت کے بجاے ہمیں سارے انسانوں کو سامنے رکھنا ہوگا، تبھی اِس دنیا میں ہمارا کوئی relevance بنے گا۔"اسی طرح جدید اسلامی فکر پر بھی ان کی گہری اور ناقدانہ نگاہ تھی۔ عرب دنیا میں نئے فکری، فقہی اور معاشی رجحانات پر ان کی وسعت نظری قابل رشک تھی۔اسلامی معاشیات پر ان کی عمیق تحریروں وتراجم کے ساتھ ان کی تخلیقات کی زبان بہت شستہ اور رواں ہے۔

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی یہ سوچتے تھے کہ اسلامی تحریکوں کا زمانہ دوسرا تھا۔انھوں نے اپنے حصے کا کام کر دیا، آج کی جنریشن کو اپنے حصہ کا کام کرنا ہے۔ مولانا مودودی یا سید قطب کا زمانہ اب ختم ہو گیا۔ آج کے مطالبات دوسرے ہیں، اس لیے آج کے لوگوں کو اجتہاد سے کام لے کر نئی راہیں نکالنی ہوں گی۔ یہ بات صحیح ہے کہ ان کا فکری تعلق جماعت اسلامی سے رہا، لیکن ان کا نقطۂ نظر کبھی بھی جمود پسند نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت میں جو کٹر مذہبیت والا دھڑا ہے، اس نے کبھی ان کے خیالات کی پذیرائی نہیں کی، بلکہ جب ان کی کتاب ''مقاصد شریعت'' شائع ہوئی تو جماعت کی اعلیٰ قیادت کے بعض افراد نے اس کے خلاف مہم چلائی۔ نجات صاحب کے ان خیالات اور آرا کا تذکرہ جماعت اسلامی کے لوگ بھولے سے بھی نہیں کرتے، کیونکہ ان سے جماعت کے پورے ایجنڈے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اسی طرح ان کا یہ بھی پختہ خیال تھا کہ اسلامی تحریکات کو روایتی علما پر انحصار ختم کرنا ہوگا، اس کے بغیر وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

[باقی]

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

۱۱۔ یہ آن لائن تعزیتی پروگرام ۲۸ / نومبر ۲۰۲۲ء کو ہوا تھا، جس میں سامع کی حیثیت سے راقم بھی شریک تھا۔

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI Quality Certified ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810